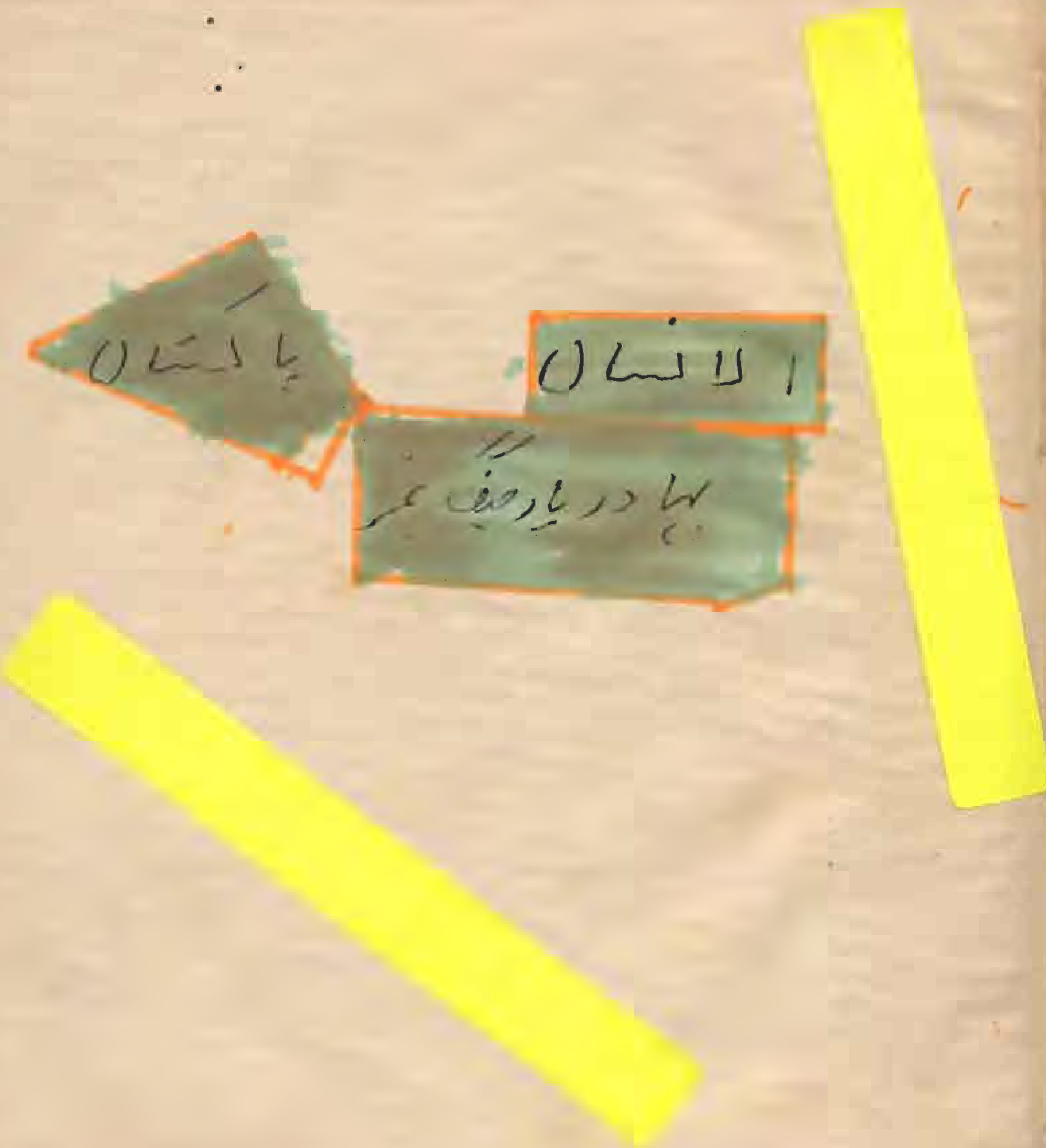
الانسان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الانسان"

(۱) ماہ مئی ۱۹۸۲ کا نمبر "بہادر یار جنگ نمبر" تھا
اور جولائی ۱۹۸۱ء کے نمبر میں بھی "بہادر یار جنگ" پر
مضامین شامل تھے۔

(۲) مئی ۱۹۸۲ کے خصوصی شمارے میں اداریہ بھی
قائد ملت کے حضور نذرانہ عقیدت ہے۔

اس جلد میں مشمول اداریہ ۱۲ مضامین اور نعت
قائد ملت کے علاوہ ۲۵ نظم قائد ملت پر شریک اشاعت ہیں۔

اداریہ

بہادر خان

بہادر خان' اس شخص کا اصلی اور مختصر سا نام ہے جس کو برصغیر پاک و ہند کے عوام نواب بہادر یار جنگ کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ نواب بہادر یار جنگ جیسی قدر آور' نمایاں اور درخشاں شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے' ان کی شخصیت ان کا نام اور ان کا کام یہ سب اتنے متعارف ہیں کہ ان کو کسی مزید تعارف کی محتاجی ہے نہ ضرورت۔ البتہ اس شخصیت کو یہ اعزاز و وقار کیوں حاصل ہوا اور اس نے قوم و ملت کے لیے کیا کارنامے انجام دیئے' ان پر غور کرنا اور ممکن ہو تو ان پر عمل کرنا اور عمل کرنے کی ترغیب دینا ضروری ہے۔

اس ماہ نواب صاحب مرحوم کی برسی منائی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں چند اہم مسائل اور موضوعات کے بارے میں ان کے خیالات خود انہی کی زبان میں پیش کئے جا رہے ہیں جو آج بھی اتنے ہی برمحل اور اتنے ہی تر و تازہ ہیں جتنے کہ آج سے کم و بیش چالیس سال پہلے یعنی پاکستان بننے سے پہلے تھے۔ ان خیالات سے ان کی بلند قامتی' اولوالعزمی اور اعلیٰ حوصلگی کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

پاکستان کے بارے میں نواب صاحب فرماتے ہیں۔

ہندوستان کی تمام سیاسی کشمکش کا واحد حل' پاکستان سمجھتا ہوں اور میرے خیال میں پاکستان کے لیے ہر قسم کی سعی اور کوشش حرام ہے۔ اگر پاکستان سے الٰہی اور قرآنی حکومت مراد نہیں ہے جس میں قانون سازی کا بنیادی حق صرف خدائے قدوس کو حاصل ہو اور ہمارے بنائے ہوئے قوانین اس کی توضیح و تشریح کریں۔ میں زندگی کے ہر گوشے اور حیات کے ہر پہلو کے لیے قرآنی نظام کو کافی اور شافی سمجھتا ہوں چاہے حیات انسانی کا وہ گوشہ اخلاقی ہو یا علمی اقتصادی ہو یا سیاسی' حالت امن سے متعلق ہو یا حالت جنگ سے اور یہی وجہ ہے کہ نہ روسو کا قائل ہوں نہ کارل مارکس کا نہ لینن کا قائل نہ ٹالسٹائی کا نہ اینی بسنٹ کا قائل ہوں' نہ گاندھی کا۔ اور اپنی اس بغاوت کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر جناح اور مشرقی بھی اس کے سوا

کوئی اور نظامِ حیات چاہتے ہیں تو ان کا بھی قائل نہیں۔

۲۔ پاکستان کی اکثریت نہ اشتراکیت چاہتی ہے نہ فسطائیت اور انگریز کی پارلیمانی جمہوریت چاہتی ہے نہ ہندو کی گاندھیت؛ بلکہ وہ اسلام چاہتی ہے اور صرف اسلام۔

۳۔ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ وہاں قرآنی نظامِ حکومت قائم ہو۔ یہ ایک انقلاب ہوگا۔ یہ ایک نشاۃ ثانیہ ہوگی۔ یہ ایک حیات نو ہوگی جس میں خوابیدہ تصورات اسلامی ایک مرتبہ پھر جاگیں گے اور حیات اسلامی ایک مرتبہ پھر کروٹ لے گی۔

۴۔ مکر و فریب کی سیاست طالبانِ پاکستان کی سیاست نہیں ہو سکتی۔

۵۔ خدا کا اقتدار اصلی اقتدار ہے جو نیابتاً و خلافتاً اسلامیہ کو حاصل ہے اور ملتِ اسلامیہ کے مظہر کی حیثیت سے امیرِ مسلمانان کو۔

دستور اور قانون کے سلسلے میں فرمایا۔

مسلمان اپنی حکومتوں میں کسی دستور اور قانون کو خود مرتب کرنے کا حق نہیں رکھتے ان کا دستور مرتب و متعین ان کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔

۱۔ اسلامی نظامِ مملکت میں قانون سازی کے بنیادی اصول آسمانی اور غیر انسانی ہیں کوئی بڑے سے بڑا اور جلیل القدر فرمانروا ان اصولوں سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔

۲۔ اسلامی احکام میں سزا کی تشہیر اسی لئے لازمی قرار دی گئی ہے کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ سزا کا مقصد انتقام ہرگز نہیں بلکہ اصلاح ہے اور اصلاح بغیر اعلان ناممکن۔

معاشیات سے متعلق یہ خیال ظاہر کیا۔

۱۔ میں اوّل و آخر مسلمان ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسلام کو دنیا کے ہر دور میں انسانوں کا مقصدِ حیات دیکھوں۔ اشتراکیت (سوشلزم) کا میں نے بہ نظر تعمق مطالعہ کیا ہے اور یقین رکھتا ہوں کہ اسلام کو اگر صحیح طریقے سے پیش کیا جائے تو وہ اشتراکیت کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور مکمل نظامِ حیات بن سکے گا۔

۲۔ کوئی ملک اس وقت تک خوشحال نہیں ہو سکتا جب تک وہاں کے مالدار اپنی آمدنی کا زائد حصہ غرباء پر صرف کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ دولت کا چند فلک بوس عمارتوں میں ڈھیر ہو جانا ایک ملک کی سب سے بڑی بدبختی ہے اور ہر حکومت کا فرض ہے کہ

(بہادر یار جنگ خلق)

نعت

اے کہ ترے وجود پر خالق دو جہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجہ وجود کائنات

اے کہ ترا سرِ نیاز حدِ کمال بندگی
اے کہ ترا مقام عشق، قربِ تمام عین ذات

اے کہ تری زبان سے ربِ قدیر گلفشاں
وحیِ خدائے لم یزل تھی تری ایک ایک بات

تیرے عمل سے کھل گئیں تیرے بیان سے حل ہوئیں
منطقیوں کی الجھنیں، فلسفیوں کی مشکلات

مجھ سے بیاں ہو کس طرح رفعتِ شانِ احمدی
تنگ مرے تصورات، پست مرے تخیلات

بقیہ اداریہ

باشندگانِ ملک کے تمام طبقوں میں معاشی توازن پیدا کرے۔

۴۔ زکوٰۃ کے تعلق سے اجمالاً و اشارتاً یہ بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اسلامی ٹیکس آمدنی پر وصول نہیں کیا جاتا بلکہ سرمایہ پر وصول کیا جاتا ہے اور ان سارے ٹیکسوں سے بڑھ جاتا ہے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد انسانیت نے اپنی ترقی یافتہ ضرورتوں کے مدِ نظر وضع کئے ہیں۔

اس شمارے میں ان کی ذات و صفات کے بارے میں جو مضامین شامل ہیں وہ خصوصاً ہماری موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

نواب سید شمس الحسن (بی اے ایل ایل بی)

تحریکِ پاکستان کا ایک بے نظیر رہنما

جب کبھی لوگوں کی زبان پر بھولے بھٹکے نواب بہادر یار جنگ کا اسمِ گرامی آتا ہے یا کسی اخبار یا رسالہ میں انکا ذکر آتا ہے۔ تو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تصویریں ذہن کے پردہ سیمیں پر گھومنے لگتی ہیں کوئی ایسا اجلاس نہ تھا جس میں میں نے بحیثیت ممبر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل شرکت نہ کی ہو۔ اور اس کی یاد میرے دل میں نہ ہو۔ جہاں ان یادوں کے ساتھ قائدِ اعظم کی پُر وقار اور جامع شخصیت نظر کے سامنے آنے لگتی ہے وہاں نواب بہادر یار جنگ کی پُرکشش شخصیت بھی نگاہ کے سامنے اُبھرنے لگتی ہے۔ ابتدائی دو اجلاسوں کو چھوڑ کر کوئی ایسا سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ کا نہ تھا جس میں نواب بہادر یار جنگ نے بنفسِ نفیس شرکت ہی نہیں بلکہ تقریر نہ کی ہو۔

یہ تقاریر اتنی مدلل اور ایمان افروز ہوتی تھیں جس کا اندازہ کرنا ان لوگوں کیلئے قریباً ناممکن ہے جنہوں نے ان کی تقریروں کو خود نہ سُنا ہو۔ یوں تو اُن کی ہر تقریر پُر معنی اور خطابت کے معیار سے منفرد شان کی ہوتی تھی مگر میں خصوصیت سے ان کی آخری تقریر پر تبصرہ کرنے پر اکتفا کرونگا جو انہوں نے سنہ ۱۹۴۳ء میں اسی شہر کراچی میں کی تھی اور اجلاس کی شرکت کیلئے سندھ اور بیرونِ سندھ کے ہر گوشے سے نمائندے اور شرکا آئے ہوئے تھے اور اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے۔ تو نواب بہادر یار جنگ نے دس بجے شب تقریر کا آغاز کیا تھا اور چار بجے صبح اپنی تقریر ختم کی تھی انہوں نے اپنی اس تقریر سے ایسا جوشِ ایمانی اور جذبۂ ملّی تازہ کر دیا تھا کہ میں نے سندھ کے معمر حضرات کو بچشم خود زار و قطار روتے دیکھا تھا جب بھی وہ تقریر کرتے تھے تو کلّی خاموشی مجمع پر چھا جاتی تھی اور ہر شخص ہمہ تن گوش و آوازہ ہو جاتا تھا اور کتنا ہی وقت گذر جائے کوئی اپنی جگہ سے ہلتا نہیں تھا۔ یہ کراچی کا اجلاس سندھ ہائیکورٹ سے متصل آرٹیلری میدان میں منعقد ہوا تھا جہاں اب ہر طرف مکانات اور دفاتر تعمیر شدہ نظر آتے ہیں۔ قائدِ اعظم پورے وقت وقار اور توجہ سے تقریر سُنتے تھے۔ اور انہوں نے کرسیِ صدارت پر بیٹھے ہوئے قریباً ساری رات گذاری تھی اور وہاں سے جنبش تک نہ کی تھی۔ نواب بہادر یار جنگ کی یہ تقریر خطابت اور جذبہ اسلامی کے لحاظ سے ایک شاہکار تقریر تھی مجھے خوشی ہے کہ بہادر یار جنگ اکاڈمی نے اس تقریر کو محفوظ کر کے ....

کتابچہ کی صورت میں بہ عنوان منشور پاکستان طبع کر دیا ہے۔ اس تقریر کو جب بھی میں پڑھتا ہوں تو اس پیرانہ سالی میں جوانی کی طرح حرارت ایمانی اور جذبہ ایمانی اپنے اندر بہ غایت محسوس کرنے لگتا ہوں

یہ تقریر کئی لحاظ سے بہت اہم ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نواب بہادر کی زبانی مسلم قوم کو ایک پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ بقول جناب محمد احمد خان صاحب جنہوں نے اس کتابچہ پر پیش لفظ لکھا ہے کہ ان کی اس تقریر میں پاکستان کا پس منظر بھی ہے اور پیش منظر بھی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نواب صاحب موصوف نے اس تقریر میں واضح طور پر پاکستان کا لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ اس کی دستوری، تعلیمی اور معاشی نظام کی قطعیت کے ساتھ نشان دہی کی ہے اور مدلل طریقہ پر بتایا ہے کہ پاکستان کا اجتماعی ڈھانچہ پورے کا پورا قرآن وسنت کی بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے۔

اس سلسلے میں نواب بہادر یار جنگ کا یہ اقتباس ملاحظہ کر لیجیئے۔

میرے خیال میں پاکستان کے لئے ہر قسم کی سعی اور کوشش حرام ہے۔ اگر پاکستان سے الٰہی اور قرآنی حکومت مراد نہیں ہے جس میں قانون سازی کا بنیادی حقوق صرف خدائے قدوس کو حاصل ہو۔ میں زندگی کے ہر گوشہ اور حیات کے ہر پہلو کے لئے قرآنی نظام کو کافی اور شافی سمجھتا ہوں چاہے حیات انسانی کا وہ گوشہ اخلاقی ہو، علمی، اقتصادی ہو یا سیاسی حالت امن سے ہو۔ یا حالتِ جنگ سے۔

نواب صاحب نے صاف صاف قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول پر نہیں ہے وہ شیطانی سیاست ہے اور ہم ایسی سیاست سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ جب وہ یہ نعرے لگا رہے تھے تو قائداعظم نے زور اور بڑے جوش سے میز پر مکا مار کر فرمایا "تم بالکل درست کہتے ہو" نواب صاحب نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے اجلاس میں کہا کہ ہمارے پنڈال سے وہ لوگ اٹھ جائیں جو خدائے انکار پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ قرآن کے واضح اور اٹل احکامات میں تحریف و اضافہ کرکے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور جو روٹی کپڑے کے بدلے مسلمان کا ضمیر اور اس کا ایمان خرید لینا چاہتے ہیں۔

آگے انہوں نے قائداعظم کو پھر مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میں نے پاکستان کو اس طرح سمجھا ہے اور اگر آپ کا پاکستان یہ نہیں ہے تو ہم ایسا پاکستان نہیں چاہتے۔ یہ سن کر قائداعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"آپ مجھے قبل از وقت کیوں چیلنج دے رہے ہیں تو نواب صاحب نے کہا نہیں قائداعظم میں چیلنج نہیں دے رہا ہوں، آپ کے عوام کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ آپ ایسا ہی پاکستان چاہتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ نواب صاحب مرحوم کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ انہیں یہ خدشہ تھا کہ

لیکن پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد مغرب زدہ طبقہ جو خصوصاً وہ لوگ جو احساس کمتری کے تحت مغربی اقدار کے شیدائی ہیں پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ بنانے کی سعی نہ کرنے لگیں اور خود ہمارا ایک مفاد پرست طبقہ ان میں موجود ہے جو بظاہر اسلامی نظریات کی حمایت کریگا مگر اسلامی قوانین کے نفاذ میں اڑنگے لگانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ وہ قائد اعظم کے ہوتے ہوئے اس فتنہ کا سدِ باب کرنا چاہتے تھے۔ ان الفاظ کی روشنی میں نواب بہادر یار جنگ کے چند اور اقتباسات پڑھئے۔ اور نواب صاحب موصوف کی باعظمت شخصیت، جوشِ ایمانی وسعت نظر اور پیش بینی کا اندازہ کیجئے۔ انہوں نے فرمایا۔ جہاں تک آپ کے ذہن اور فکر کی تربیت کا تعلق ہے وہ منزل گذر چکی۔ اب عمل اور صرف عمل کا وقت ہے اگر آپ اس کی طاقت نہیں رکھتے تو پاکستان کا مطالبہ کر کے اس کو ذلیل نہ کیجئے۔ اور جوشِ ایمانی میں سرشار ہو کر وہ یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ "قائد اعظم وہ دن میرے لئے عید کا دن ہوگا جس دن میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور میرے پاؤں میں بیڑیاں ہوں گیں اور جس دن میرا جسم زخموں سے چور ہوگا" جب یہ الفاظ ہزاروں سامعین کی موجودگی میں کہہ رہے تھے تو صدا بلند ہوئی کہ "ہم سب آپ کے ساتھ ہیں"۔ مگر یہ سنکر انہوں نے کہا "یہ بھی پڑھ لیجئے۔" "اس قدر جلد فیصلہ نہ کیجئے۔ میں نے جس عزم کا اظہار کیا ہے وہ میرے

بارہ سال کی شبانہ روز غور و فکر کا نتیجہ ہے جاؤ اپنی بیویوں کے تابناک چہروں کو دیکھو۔ اپنے بچوں کی مسکراہٹ کو اپنی زندگی کی ہر خوشی کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر فیصلہ کرو۔ اپنی تجارت اور ذرائع معیشت کی ساری تباہیوں کا بغور تصور کر کے ایک مرتبہ فیصلہ کرو۔"

بہادر یار جنگ قوم کے نبض شناس تھے اور اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ جو فیصلے جذبات کی رو میں کئے جاتے ہیں ان میں استقلال نہیں ہوتا بلکہ بعض حالتوں میں انکے نتائج تباہ کن ہوتے ہیں۔

نظریۂ پاکستان اور اس کے دستوری نظام کے سلسلے میں نواب بہادر یار جنگ نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا آج وہ برسوں کے بعد جنرل ضیاء الحق صاحب

صدرِ پاکستان پر زور الفاظ میں بار بار کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجرِ عظیم دے۔ آمین

"دیر آید، درست آید"

نواب صاحب موصوف نے محض جذبات میں تو یہ نہیں کہی تھی بلکہ ایک سوچے سمجھے اسکیم کے تحت کہی تھی۔ اس سے مراد قائدِ اعظم کے پیغام کو دلوں میں راسخ کرنا تھا اور ان کی قیادت کو ٹھوس بنیادوں پر قائم اور استوار کرنا تھا چنانچہ ان کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ " آپکے قائدِ اعظم نے ایک سے زائد مرتبہ اس کا اعادہ فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی حکومتوں میں کسی دستور اور قانون کو مرتب کرنے کا حق نہیں رکھتے ہیں انکا دستور مرتب مستعین اپنے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔"

اس اجلاس میں نواب بہادر یار جنگ نے پاکستان کے تعلیمی نظام کے سلسلے میں کتنی پتہ کی بات کہی تھی وہ بھی پڑھ لیجئے!" ذہنی انقلاب کے پیدا کرنے کی ایک صورت تو یہی اجتماعات اور محفلیں ہیں لیکن انقلاب کو وجود میں لانے کا مستقل اور بنیادی ذریعہ صحیح اور موثر تعلیمی نظام کی ترویج ہے" یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے بعد چند برسوں میں ہی اسلامی نظامِ تعلیم کا اجرا ہو جاتا تو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سانحہ پیش نہ آتا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر اسلامی انقلاب اس ملک میں لانا ہے تو سب سے پہلے تعلیم کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تاکہ جو نئی نسل پیدا ہو وہ اسلامی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہو۔ اپنی تاریخ اپنی روایات اور اپنی روح سے آشنا ہو۔

ہماری نسل تو انگریزوں کے طرز پر پلی اور ڈھلی ہے انکے طرزِ فکر کو تبدیل کرنا آسان مرحلہ نہیں ہے۔ کلی بنیادی انقلاب کے لئے یہ ضروری ہے کہ نئی نسل کے کیمپ خالص اسلامی اقدار کے تحت تیار کی جائے اور درس گاہوں میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس سے ان کی ذہنی تربیت ہو سکے۔

غرضیکہ نواب بہادر یار جنگ کی یہ ولولہ انگیز اور بصیرت افروز تقریر تھی جس کو قیامِ پاکستان کے بعد بھلا دیا گیا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب اس طرف توجہ دی جا رہی ہے اگرچہ اس کی رفتار سست ہے اور کوئی منظم کارروائی عمل میں نہیں آسکی ہے اور اس مسئلے کی اہمیت برقرار ہے۔ ۔

یہ پوری تقریر ایسی ہے جس میں نواب بہادر یار جنگ کی شخصیت یکساں مہک رہی ہے۔ اور انکی شخصیت کا ہر نقش صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ نواب صاحب کے قول و فعل میں لیکن تضاد نہیں ملے گا۔ وہ صرف خطیب نہ تھے بلکہ ایک زبردست مفکر بھی نیز مخلص ترین لیڈر بھی۔ بعض وقت یہ سوچ کر میں حیران رہتا ہوں کہ ایک جاگیردار گھرانے میں ایسا عظیم لیڈر کیسے پیدا ہو گیا تو صرف ایک ہی جواب ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قادرِ مطلق ہے انہیں اقبال کی زبان میں "شاہین" اور مردِ مومن ہی پیدا کیا تھا۔ اپنی سعادت بزورِ بازو نیست ایک اور واقعہ جو میری ذات سے متعلق ہے بیان کر دوں تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ ۱۹۴۲ء میں جب کانگریس نے زبردست تحریک چلائی تھی تو قائدِ اعظم نے ہر صوبائی

اور ضلعی سطح پر مسلم لیگ دفاعی کمیٹیاں تشکیل کرنے کا فیصلہ صادر کیا تھا تاکہ مسلمانوں کے مال اور جانوں کی حفاظت کی جا سکے۔ یوں مسلم لیگ دفاعی کمیٹی کا سکریٹری جنرل میں مقرر ہوا اور مجھے دفاعی کمیٹی کے ساتھ یو پی کے کل اضلاع کا دورہ کرنا تھا چنانچہ اسی دوران مجھے بہادر یار جنگ کا خط آیا انہوں نے اسٹیٹ مسلم لیگ کا ایک وفد ترتیب دیا ہے تاکہ وہ ریاستی مہمانوں کے حالات اور مسائل سے متعلق ایک مکمل رپورٹ تیار کرکے دیدے انہوں نے لکھا کہ آپ اس وفد کے چیئرمین کے فرائض قبول کرلیں لیکن میں اس وقت یو پی مسلم لیگ دفاعی کمیٹی کی طرف سے دورے پر روانہ ہونے کے لئے پابرکاب تھا اس لئے مجھے معذرت کرنا پڑی۔ لیکن اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی سرپرستی میں اسٹیٹ مسلم لیگ کتنی موثر خدمت کررہی تھی اور انہیں نزاکت وقت کا کتنا احساس تھا نیز یہ کہ وہ مجھ پر کس قدر اعتماد کرتے تھے۔

ایک اور واقعہ یاد آیا۔ نواب بہادر یار جنگ لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے۔ علامہ اقبال کی یاد میں ایک جلسہ گنگا پرشاد میموریل ہال میں منعقد ہوا جس میں نواب صاحب موصوف نے علامہ اقبال کی شخصیت اور نظریات پر ایک نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرمائی، ان کی یہ تقریر ایسی جامع لہجہ میں اور ادبی انداز کی تھی کہ میں ششدر و حیران رہ گیا تھا۔ راجہ صاحب آف محمود آباد نے غالباً یہ تقریر ٹیپ کی تھی، معلوم نہیں وہ ٹیپ ان کے ورثا میں سے کسی کے پاس اب بھی محفوظ ہے۔ یا نہیں اس تقریر سے یہ اندازہ ہوا کہ وہ کیسے سخن فہم اور ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے دوران تقریر فی البدیہہ علامہ اقبال کے اشعار سناتے جاتے تھے جس سے پتہ چلا کہ ان کا حافظہ بھی غضب کا تھا۔

نواب بہادر یار جنگ طبعاً بہت نفاست پسند تھے، انہیں عطر کا خاص شوق تھا اور یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ وہ عطر میں نہاتے تھے۔ جسمانی لحاظ سے وہ قوی الجسم تھے اور اچھے قد و قامت کے انسان تھے، نہایت ملنسار خوش طبع اور کسی قسم کا جذبۂ نفاق ان میں مطلق نہ تھا وہ جاگیردار ہوتے بھی ایک عوامی لیڈر تھے اور ہر ایک سے کشادہ دلی اور برادرانہ انداز سے ملتے اور دل کو موہ لیتے تھے۔

میرے جو کچھ تاثرات بہادر یار جنگ کے متعلق ہیں وہ نہ قیاسی ہیں نہ سماعی بلکہ عینی ہیں ایک بار میرے غریب خانہ بھوپال ہاؤس میں مجھے ان کی مہمان داری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اور ان سے میری خط و کتابت بھی رہی اور بعد میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔ میری آخری ملاقات کراچی سیشن کے بعد بمبئی میں ہوئی وہ تاج محل ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اس کے بعد وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ان تعلقات کی وجہ سے مجھے بہت قریب سے انہیں دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس لئے میں جو نذرانہ عقیدت ان کی روح پاک کو پیش کررہا ہوں اس میں نہ کسی قسم کا مبالغہ ہے اور محض خوش عقیدگی کا دخل ہے۔

میرے تمام تر تاثرات مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہیں۔

نواب صاحب کی ذات بابرکات مولانا محمد علی مرحوم اور علامہ اقبال مرحوم کے خیالات اور جذبات کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ اور انکی اعلیٰ خطابت نے ان میں مزید چوکھا رنگ بھر دیا تھا۔

میرے دل میں بار بار یہ ہوک اٹھتی ہے کہ اگر قائداعظم اور قائد ملت نواب زادہ لیاقت کو ہم سب سے اتنی جلد ہی جدا ہونا تھا تو کاش نواب بہادر یار جنگ بھی پاکستان میں ہوتے تو شائد وہ حالات پیدا نہ ہوتے جس سے اس ملک کو گذرنا پڑا اور پاکستان انکی جدوجہد سے ایک اسلامی ریاست کی صورت میں بہت پہلے معرض وجود میں آچکا ہوتا۔

چاہتا ہوں کہ اس مضمون کے آخر میں مولانا عبدالماجد دریاآبادی کے ذاتی تاثرات بھی پیش کروں جس کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب "معاصرین" میں کیا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب شاید چند مخصوص حضرات کی نظر سے ہی گذری ہوگی۔ وہ لکھتے ہیں "مسلم لیگ کے لیڈروں میں میرے معیار پر پورے اترنے والے وہی ایک تھے۔ مالک بے نیاز کی مشیت میں کون دخل دے سکتا ہے عین جوانی میں بے شان و گمان چشم زدن میں انہیں واپس بلالیا" کہ خورشید درخشندہ بودے و دولت مستعجل بود

مولانا عبدالماجد پھر تحریر کرتے ہیں کہ وہ زندہ رہ جاتے تو لیگ اور پاکستان دونوں اس بری حالت کو نہ پہنچتے، بہترین قائد ہونے کے باوجود پارٹی ڈسپلن کے تحت پابند تھے اور اپنے کو جناح صاحب کے مقابلے میں ہیچ ہی سمجھتے.... میں نے علمی حیثیت سے کوئی ان سے بہتر مسلمان کم ہی دیکھا ہے۔"

نواب بہادر یار جنگ عاشق رسول تھے۔ اکثر وہ سیرت کے جلسوں میں تقریر فرماتے اور یہی نسبت تھی جس نے ان کو وہ مقام عطا کیا جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ سخت علوم و اصول کے پابند تھے۔ اور وہ اپنے اندر ایک پُرسوز دل رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی کم عمر میں انہیں کیا کچھ عطا نہیں فرمایا۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک باطن را

نواب سید شمس الحسن بی اے ایل ایل بی،
سابق جنرل سکریٹری یوپی صوبہ مسلم لیگ
ممبر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل
آل پاکستان مسلم لیگ۔"

بقیہ زمین نے کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ہر وقت کسی جم کی حکومت ہی رہی ہے
فرعون کو موسیٰ سے خصومت ہی رہی ہے

ایسی موت! موت نہیں حیات جاوید ہے جس پر کتاب و سنت شاہد ہیں۔ خیرۂ مشیر آباد میں ابدی نیند سونے والے! تو نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن ہزاروں بندگان خدا کی آنکھیں کھول دیں۔ تو نے زندگی کو موت کی ابتدا اور موت کو زندگی کی ابتداء کا نکتہ سمجھایا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

نالۂ دلخراش

سرِ خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ می باشم
کہ خونش نو نہالِ ملتِ ما سازگار آمد

یہ نظم نواب بہادر یار جنگ قائدِ ملّت اسلامیہ دکن کے سانحۂ ارتحال پر اس
تعزیتی جلسے میں پڑھی گئی تھی جو زمرّد محل ٹاکیز بلدہ حیدرآباد دکن میں منعقد کیا گیا تھا۔

روحی ہاشمی

اے دوستو وہ قافلہ سالار کہاں ہے
وہ ملک کا ملّت کا پرستار کہاں ہے
اے بھائیو! وہ پیکرِ ایثار کہاں ہے
اقلیم قیادت کا وہ سردار کہاں ہے
اے موت! بتا کیا تجھے کچھ رحم نہ آیا
جب قائدِ ملّت کو ہدف تو نے بنایا

وہ خلقِ مجسّم تھا، محبت کا سراپا
آج اپنی نگہ ڈھونڈ رہی ہے اسے ہر جا
ہے پیشِ نظر اس کا وہ ہنستا ہوا چہرا
ہیہات! کہیں ہم کو نظر وہ نہیں آتا
مانا کہ وہ دنیا میں نہیں اور کہیں ہے
باور نہیں آتا کہ وہ دنیا میں نہیں ہے

ملّت کا سپاہی تھا خطابت کا دھنی تھا
وہ جذبۂ ملّی کبھی بھولا نہیں جاتا
مذہب کا فدائی تھا وطن کا تھا وہ شیدا!
جب دیکھئے سرگرمِ عمل ہی نظر آیا
سیّاس و مفکّر تھا، ادیب اور مدبّر
ہر علم میں وہ طاق تھا ہر فن کا تھا ماہر

کیا کہنا شرافت کا تری قائدِ ملّت
اللہ نے بخشی تھی تجھے عزّت و شہرت
مشہور خطابت تھی مسلّم تھی وجاہت
ذی رتبہ تھا حاصل تھی تجھے دولت و ثروت

آرام کے ہوتے ہوئے آرام نہ پایا
دل کو ترے اے خلق کبھی چین نہ آیا

پاکیزہ تھے اخلاق تو اوصاف تھے اعلیٰ — حق یہ ہے بہی خواہ تھا اسلام کا سچا
اللہ نے بخشا تھا تجھے خاص یہ رتبہ — خوش تجھ سے تھا اپنا تو ثناخواں تھا پرایا

قدرت نے قیادت تری فطرت میں رکھی تھی
پھر اس پہ خطابت تری اک جادوگری تھی

اک کھیل تھا تیرے لئے شورش کو دبانا — آسان تھا ہر مجمع پہ قابو تجھے پانا
للکار سے غیروں کے کلیجوں کو ہلانا — چمکار سے اپنوں کو تسلّی وہ دلانا

لہجہ ترا پُر زور تھا تقریر دل آویز
انداز خطابت تھا قیامت کا اثر خیز

اعمال ترے نیک خیالات ترے پاک — جو بات کھری ہوتی تھی کہہ دیتا تھا بے باک
بیٹھی ہوئی تھی قلب مخالف پر تری دھاک — افسوس کہ ہستی ہے تری آج تہہ خاک

گر تو نہیں موجود تری یاد ہے باقی
رکھی ہوئی لیکن تری بنیاد ہے باقی

۱۱- مجھ سے اگر پوچھئے اسلامی عبادت کی تعریف صرف ایک جملے میں کی جاسکتی ہے۔ یعنی حق ادا کرنا حق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک حقوق اللہ دوسرا حقوق العباد۔ حق اللہ روح انسانی کی سرسبزی کے لئے تھا تو حق العباد اس عالم کون و فساد میں امن کے لئے حقوق کی ادائی کیا تھی؟ اس کو اپنی زندگی کے ہر لمحے میں جاری و ساری سمجھنا اور یقین رکھنا اس کی بے مثال کانوں کو دنیا میں پیدا ہونے والی ہر آواز کا سننے والا جاننا اس ایمان و ایقان کے ذریعہ اس کے پیدا کئے ہوئے خیر و شر کی حقیقتوں کا پہچاننا، ایک پر عمل کرنا اور دوسرے سے محفوظ رہنا۔

(مضمون "عبادت" شائع شدہ ماہنامہ "المصدق" حیدرآباد)

۱۲- کوئی اس وقت تک خوشحال نہیں ہوسکتا جب تک وہاں کے مالدار اپنی آمدنی کا زائد حصہ غرباء پر صرف کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ دولت کا چند فلک بوس عمارتوں میں ڈھیر ہوجانا ایک ملک کی سب سے بڑی بدبختی ہے اور ہر حکومت کا فرض ہے کہ باشندگان ملک کے تمام طبقوں میں معاشی توازن پیدا کرے۔

(رسالہ جلسہ اتحاد المسلمین ۲۲ مئی ۱۹۴۴ء)

۱۳- میں جس چیز کو سب سے زیادہ ضروری تصور کرتا ہوں اور جس کے بغیر صحیح شعور سیاسی کو پیدا ہوتا ہوا نہیں پاتا وہ مسلمانوں کی عام خواندگی ہے۔

(محمد عبدالرحمٰن سعید صدیقی (حیدرآبادی)

زمین کھاگئی آسماں کیسے کیسے ؟

ماہ رجب ایک ایسے انسان کی یاد تازہ کرتا ہے جس کی زندگی کا مطمع نظر فنائے ذات اور بقائے ملت اسلامیہ رہا ہے۔ والدین نے اس کو بہادرخان کا نام دیا۔ حضور نظام آصف جاہ سابع نے نواب بہادر یار جنگ کا اور استادِ محترم علامہ شمسی نے لسان الامت کا اور ملت کے سوادِ اعظم نے قائد ملت کا خطاب دیا۔ جس وقت سے آپ کو قیادت کا منصب حاصل ہوا اس وقت سے تادمِ زیست آپ آخرالذکر خطاب ہی سے مخاطب کیے گئے۔ ملت ہی کے آنکھ کے تارے بنے رہے۔

اس شہید راہ حق کو شہادت پائے ہوئے کم و بیش (۴۰) سال کا طویل عرصہ گذر چکا۔ اس عرض مدت میں نہ معلوم چشم فلک نے کتنے نشیب و فراز دیکھے۔ تاریخ نے کتنے ہی انقلابات اپنی آغوش میں سمیٹ لیے۔ کتنے ارباب اقتدار اقتدار کی مسند سے اتارے گئے کوس لمن الملک الیوم بجانے والے کتنے حاکم اور فرمانرواؤں کو دار و رسن سے ہمکنار ہونا پڑا لیکن جو حی و قیوم کا بندہ بنا رہا جو زندگی بھر متقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ·

نواب بہادر یار جنگ (قائد ملت)

کی حقیقت کو فاش کرتا رہا۔ اس کی یاد حق شناسوں اور حق پرستوں کے حافظہ سے محو نہیں ہوئی۔ جو آنکھ سرمۂ بصیرت سے روشن ہے وہ اس کی جدائی میں ہمیشہ سے نم ہے اور نم رہے گی۔ جو سینہ صدائے حق کا محرم ہے وہ ہر وقت اس کے ناوک غم سے مجروح ہوتا رہے گا۔

یہ ایک بیش پا افتادہ حقیقت ہے کہ سلاطین کے یوم منائے نہیں جاتے۔ امرا کے گیت نہیں گائے جاتے جو اپنی زندگی میں مشاہیر شمار ہوتے تھے اُن کی یاد میں جرائد کے خصوصی شمارے شائع نہیں کیے جاتے مگر یہ کیا بات ہے کہ جس کو دارِ فانی سے گذرے ہوئے تقریباً (۴) قرن بیت گئے۔ نجی صحبتوں میں اُس کا ذکر ہے، جلسوں اور اجتماعات میں اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ ہر سال بڑے اہتمام سے اس کا یوم منایا جاتا ہے۔ اخبارات کے کالم

اسکی حیات کی روداد سناتے ہیں۔ معترفین اس کی داد و تحسین میں رطب اللسان ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تعلق، خاطر، گرویدگی، شیفتگی اور محبت کا اثر عوام کے ایک ایک فرد پر طاری ہے۔

حیات انسانی کا ایک اہم سوال یہ ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے محبت کیوں ہوتی ہے۔ آخر اس کی اساس کیا ہے؟ بلا وجہ اور بلا سبب کسی کو کسی سے محبت نہیں ہوا کرتی۔ اس کا جواب قرآن حکیم کی افتتاحی سورۃ کی پہلی آیت الحمد اللہ رب العالمین سے ملتا ہے۔ حمد و تعریف اور محبت کی بنیاد حسن اور احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات چونکہ منبع حسن و جمال اور سرچشمۂ فضل و کمال ہے اسلئے وہ مخلوق کی محبت کا مرکز ہے۔ محبت کا دوسرا سبب احسان ہے۔

ربّ العالمین میں احسان کی طرف اشارہ ہے انسان کی تخلیق اور اس کے جسمانی نظام کی ضروریات دماغی اور ذہنی قویٰ، فکری صلاحیتیں اور اسباب پرورش کی فراہمی سب کچھ ربّ العالمین کے سرچشمۂ فیض سے ہو رہا ہے ایسے عظیم محسن سے محبت انسانی فطرت کا تقاضہ بن جاتی ہے۔

اسی طرح مخلوق میں جو افراد بھی اللہ تعالےٰ کے ان صفات سے متصف ہوتے ہیں ان سے بھی سیرت و کردار کا جمال اور اعمال حسنہ کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جب خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو انسانوں کی خدمت کے ذریعہ محسن بن جاتے ہیں۔ اس اصول کی روشنی میں اگر قائد ملت کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو عوام میں ان کی ہر دلعزیزی اور محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کا شخصی کردار ابتدا ہی سے بالکل بے داغ رہا۔ عنفوان شباب ہی سے ان کی زندگی میں تقوے کی جھلک تھی۔ اگرچہ عشرت کدہ میں ان کی ولادت ہوئی۔ ماحول بھی لہو و لعب اور تعیش کا لیکن عقل سلیم اور فطرت صالحہ کا دامن کبھی ان خرافات سے ملوث نہ ہوا۔ علم صحیح اور عمل صالح فکر و نظر کا مرکز بنے رہے۔ حصول علم کی جانب توجہ مرکوز رہی۔ والد کے اچانک وفات کی وجہ جب جاگیر و جائداد کے انتظام کی ذمہ داری آن پڑی تو درسگاہی تعلیم کا سلسلہ ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن یہ ذمہ داری حصول علم کی راہ میں مانع نہ ہوئی علامہ شمسی سے عربی اور فارسی کی متداول کتب کا درس حاصل کیا۔ انگریزی زبان کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ جاری رہی۔ حصول علم کی سعی و جہد ایک خاص مثلث کے محور پر گردش کرتی رہی۔ یعنی عمر بھر قرآن حکیم سے طلب معرفت تاریخ اسلام سے مسلمانوں کے عروج و زوال کی حقیقت اُن پر آشکار ہوئی۔ کلام اقبال سے "یزداں بکمند آور" کا درس حیات ملا۔ کثرت مطالعہ اور بلاد اسلامیہ کے سفر اور وہاں کے مشاہیر اتحاد بین المسلمین کے مسائل پر تبادلہ خیال نے ان میں گہری بصیرت و آگہی پیدا کر دی تھی۔

تبلیغ دین کو زندگی کا اہم مقصد قرار دیا۔ اس راستہ میں کمی زندگی کے آثار کا مشاہدہ کیا، طائف کی منزل سے بھی گذرے، بولہب اور بوجہل سے بھی واسطہ رہا۔ یہ امور ان کے ذاتی فضل و کمال کے آئینہ دار ہیں۔

خطابت کی خداداد صلاحیت نے اُن کی مقبولیت میں چار چاند لگا دیئے۔ برصغیر کے گوشہ گوشہ میں قائدِ ملت نے صدائے حق بلند کی۔

قرآن حکیم کے اسرار و رموز اور سیرت طیبہ کے حقائق سے عوام کی ذہنی تربیت کی اور اُن کے قلوب کو شعاعِ ایمان سے جگمگا دیا اعلائے کلمۃ الحق سے باطل کے بُتکدہ پاش پاش کر دیا۔

جب سیاست کی وادیٔ پُرخار میں قدم رکھا تو اقتدار کی ہوس دامنگیر رہی۔ نہ جاہ و مرتبہ کی تمنا پیدا ہوئی۔ مناصب و اعزازات نے راستہ روکنا چاہا تو اُن سب کو ٹھکرا دیا۔ وزارت نے بڑھ کر قدم چومے۔ نہ ترغیب نے رجھایا نہ تربیت سے متاثر ہوئے۔ ان کی رہگذر منہاجِ نبوت کی ضیاء سے کہکشاں بنی رہی۔ اسلام کی رفعت و بلندی اور اہل ایمان کی برتری کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ حیدرآباد کے منصوبہ اصلاحات میں ناسازگار حالات کے کشمکش کے بعد مسلمان اقلیت کو اکثریت کے برابر لا کھڑا کیا۔ یہ ان کے حسن خلق ہونے کی سند ہے۔ بتایئے کہ حسن و احسان کے اس مجسمہ سے اگر قدر شناسوں کو محبت نہ ہو تو اور کس سے ہو سکتی ہے؟

ہاں مگر دنیوی حیات کے ترکش میں چند مہلک تیر و نشتر بھی پنہاں ہوتے ہیں جن کا ہدف صرف اہل حق کی حیات مقدس ہے۔

اسی تیر کا فاروق اعظمؓ کو سامنا کرنا پڑا اسی آزمائش میں حضرت ذی النورینؓ مبتلا ہوئے اسی راہ سے حضرت اسد اللہؓ بھی گزارے گئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز بھی اسی تیر سے گھائل ہوئے حضرت شبیرؓ کے سامنے یہی صورت کربلا کا میدان بن کر آئی۔ اس تلخ حقیقت نے کسی کو زہر کا پیالہ دیا، کسی کو عباسی خلافت کی مجلس میں آخری سانس لینی پڑی۔ اس حق پرستی کے راستہ میں ٹیپو کو شہادت ملی اور ارضِ دکن میں اسی مردِ حُر اور مردِ مومن نے بہادری کے جوہر دکھا کر حق کی ایک ہی کشش میں جان، جان آفریں کے سپرد کی۔ دنیا کی یہی روایت ہے اہل اقتدار کا پنجۂ استبداد حُریّت کی ہر رمق کا خاتمہ کرنے پر تلا رہتا ہے۔ آزادی کے ہر نقیب کو اپنی سازش کا نشانہ بناتا ہے۔ خدا کی مقدس زمین کا معتد بہ حصہ مردان حق ہی کے خون سے رنگین ہے۔ تاریخ کے صفحات میں یہی حقیقت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

فرہاد کی ہر سانس شرربار رہی ہے
ہر دور میں پرویز کی سرکار رہی ہے
ہر یوسف کنعاں سر بازار بکا ہے
مٹی سے بھی ارزاں دُرِ شہوار بکا ہے

بقیہ ص ۱۵ پر

منور جمال ایم۔ اے (سیاسیات) ایل ایل بی

بہادر یار جنگ

ایک عظیم انسان تھے

روز ازل سے آج تک اس دنیا میں لاتعداد انسان آئے اور چلے گئے ایک سلسلہ ہے جو متواتر چل رہا ہے بہت کم لوگ ایسے آئے جو اس دنیا میں اگر بس پھر ہمارے ہو کر رہ گئے اگر جسمانی طور سے نہ سہی لیکن ان کا نام، کارنامے انسانوں سے محبت کرنے کی اعلیٰ سے اعلیٰ روایات نبھی اور نکھرتی چلی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں بڑوں کی جو فہرست ہے وہ خاصی طویل ہو چکی ہے لیکن اس دنیا میں ۴۵ سال مسلسل محنت مشقت اور اقتصادی ناہمواریوں کو مسلسل پروان چڑھانے والے دور میں اصولوں اور ایک منفرد راستے پر چلتے رہنے سے طبیعت میں بڑا ہی حساسی پن پیدا کر دیا ہے ہر چیز و فرد و بشر کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھنے کا عادی بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس طرح سے بڑوں کی فہرست میرے سامنے بڑی ہی مختصر سی ہو کر رہ گئی ہے۔

اس مختصر سی فہرست میں جن لوگوں کے نام آتے ہیں وہ سب کے سب مجھے ہی نہیں میرے تنقیدی ضابطوں اور اصولوں پر حاوی اگر میرے آئیڈیل بن گئے ہیں۔ نیز میں گام گام ان سے روشنی پا رہا ہوں۔

ان میں ایک نام محمد بہادر خان کا بھی ہے جو لوگوں میں الحاج نواب بہادر یار جنگ اور قائد ملت کے نام سے مشہور ہوئے میں نہ تو بہادر یار جنگ کے دور کا آدمی ہوں کہ ان سے ملنے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانے پینے کے قصے کہانیاں سناؤں حسن کا ایک چلتو ہمارے یہاں موجود ہے کہ جب کوئی آدمی مر جائے اور اگر وہ واقعی بڑا ہو تو تمام بونے اپنے قد اونچے کرنے کے لئے ایسے ایسے فرضی افسانے تراشنے لگتے ہیں کہ مرحوم بھی سننے لگتے ہیں اور دور دروغ گوئیوں کی ان داستانوں پر انسانوں کو غصہ آئے یا نہ آئے جن سے متعلق ہو کر یہ افسانے اور من گھڑت کہانیاں بنائی جاتی ہیں کئی دنوں تک عالم غصہ میں ضرور رہتے ہوں۔

مگر اس کے باوجود میرا بہادر یار جنگ سے ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ اور وہ رشتہ ہے انسانیت کا وہ رشتہ ہے رہنمائی کا یہ دونوں رشتے ایسے ہیں جن کو کوئی بھی ناقد جھٹلا نہ سکے گا۔ یوں تو وہ ایک اور آئیڈیل مقرر کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی انعامات مختلف مباحثوں میں جیت رہا تھا تو بھی وہ میرے سامنے یوں

موجود ہے ہیں گویا وہ بھی ان مباحثوں میں حصہ لے رہے تھے۔

بہادر یار جنگ سے میں نے جو رشتہ قائم کرلیا ہے وہ ایسا ہے جو میری زندگی کے آخری سانسوں تک برقرار رہے گا اور میں ان کو اپنے کمروں میں ہمیشہ مسکراتا اور مجھے حوصلہ بخشتے ہوئے پاتا رہوں گا۔ ایسے انسان کا کوئی پرچہ نمبر نکالے اور میں اس میں حصہ نہ لوں یہ تو ممکن ہی نہیں اصل مضمون میں بہت پہلے لکھ کر بذریعہ ڈاک ارسال کرچکا تھا لیکن اب ابتی اس بدقسمتی کا ابھی تک کوئی علاج دریافت ہی نہیں ہوا کہ خطوط کو ضائع کرنے کا بڑا ہی طاقتور نظام اپنے وطن میں موجود ہے۔ چودہ دن تک انتظار اور ضروری جانچ پڑتال کے بعد یہ پتہ چلا کہ یہاں وہ اندھیرے قائم و دائم ہیں۔ جنکے خلاف ملت کے تمام عظیم لوگوں نے لڑائی لڑی تھی جن میں بہادر یار جنگ بہت ہی نمایاں رہے ہیں۔ ان تمام قومی قائدوں نے اپنی پوری جدوجہد جہاں انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہاں وہ بھی یہ چاہتے تھے اور جیسا کہ انہوں نے مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ وہ صرف فرنگی سامراج سے آزادی حاصل کرلینے سے ہی آزادی کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ نئی قائم ہونے والی مملکت میں ایک ایسا صاف ستھرا اور مثالی انتظامی ڈھانچہ قائم ہونا چاہیئے جس سے تمام بندگان خدا مستفید ہوں اور ان کے مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں۔"

بہادر یار جنگ جو کہ بانیٔ پاکستان تھے وہ چاہتے تھے کہ پاکستان بنے اور پھر جو لوگ یہاں آباد ہوں ان کے لئے ایک ایسا انصاف پر مبنی نظام قائم ہو جسکے ذریعہ لوگوں کے مسائل خود بخود حل ہو جایا کریں کیا چاہت تھی اور ہوا کیا کراچی سے کراچی میں لکھا جانے والا خط جسمیں مطلوبہ شرح سے ادائیگی بھی کردی گئی ہو دو دو اور تین تین ہفتے گذر جانے کے باوجود بھی منزل تک نہ پہنچ سکے یہ بات اسلامی نقطہ نگاہ سے بھی بڑی ہی تکلیف دہ ہے کہ وہ ایک تو آپ لکھنے والے کی ذہنی کاوشوں کو تلف کر رہے ہوتے ہیں۔ دوسرے اس سے اس کام کی اجرت بھی لے رہے ہیں جو کام آپ کرتے ہیں۔ کیا محکمے ڈاک کے اعلیٰ سطح کے لوگ جنکو بڑے بڑے بنگلوں، کوٹھیوں، ایوانوں میں جدید طرز زندگی کی جملہ سہولتیں ایک غریب بے آواز کمزور ہر لحاظ سے قوم نے صرف اس لئے مہیا کر رکھی ہیں کہ ان کے ڈاک کا نظام قائم و دائم رہے اور بڑی آسانی اور سہولت سے لوگ بذریعہ ڈاک ایک دوسرے کے رابطے میں رہیں۔ کیونکہ خود قائد ملت نے کہا تھا۔

"کہ حرام خوری کرنے والوں سے بھی موثر طور سے نمٹنے کے لئے ایسے اقدامات ہونے چاہیں جن سے نیا قائم ہونے والا ملک حقیقی معنوں میں ایک فلاحی مملکت بن سکے۔"

بہادر یار جنگ صرف ایک شعلہ بیان مقرر ہی نہ تھے وہ شروع ہی سے مسلم لیگی تھے اور آخری سانس تک مسلم لیگی ہی رہے انہوں نے کبھی بھی دوسروں سے متاثر ہو کر انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار نہیں کی۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے بلند حوصلہ اور عظیم تھے خود بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے قائد ملت کے انتقال پر جو پیغام دیا تھا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے بڑے قومی رہنما تھے۔

نواب بہادر یار جنگ میرے عزیز ترین ساتھی اور دوست تھے ان کی بے وقت موت میرے لئے ایک جانگداز صدمہ۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم ایک مومن صادق تھے۔ وہ اسلام کے ایک بہت بڑے داعی اور انہوں نے اسلام اور مسلمانان ہند کی زریں خدمات انجام دیں۔ تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کرے گی وہ ہمارے لئے قدرت کا ایک بیش بہا عطیہ تھے"

بہادر یار جنگ جب تقریر کرتے تھے تو چاہے موسم خراب ہو اور بارش ہو جائے مجال ہے کہ وہ حاضرین کو اس کا اثر لینے دیں۔ دو دو تین تین گھنٹے وہ مسلسل بولتے تھے اور ہر بات صاف صاف بتاتے چلے جاتے تھے۔ انہوں نے وقتی مصلحتوں کا بھی سہارا نہیں لیا۔ وہ قرآن پاک سے رہبری لیتے تھے خود فرماتے ہیں کہ میں خانہ خدا میں بیٹھا کتاب اللہ کو ہاتھ میں لئے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری تقریروں جلسہ آرائیوں اور ہماہمی کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگ قرآن کو سمجھنے لگیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں اگر مسلمانوں نے اس کو چھوڑ دیا تو وہ کہیں کے نہ رہیں گے۔ یہی ان کی پناہ گاہ ہے۔ ہر سال ۲۵ جون آتا ہے اور ہم لوگ روایتی انداز میں بہادر یار جنگ مناتے ہیں تقریریں ہوتی ہیں اور لوگ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ کیا اب کوئی دوسرا بہادر یار جنگ نہیں ابھرے گا؟

کیا ملت اسلامیہ ان جیسے شعلہ بیان مقرر دیا۔ اور بیباک قومی قائدوں سے محروم ہی رہے گی۔ کیا ہم بہادر یار جنگ کے چاہنے والی ان کی پرنور زندگی سے نکلنے والی شعاعوں سے اپنے راستوں کو منور نہیں کریں گے لیکن تاریخ میں کوئی اور نیا باب نہیں لکھا جائے گا کیا تاریکیوں میں ہڑپ ہو جائیں گے اور حالات ان کو اس قابل بھی چھوڑیں گے کہ وہ دوسروں کے نشان راہ بن سکیں گے۔ وہ میرے سامنے ایک مقرر۔ قومی رہنما سے ہی نہیں آتے بلکہ پوری زندگی اور حریت نواز بھی رہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تقریروں میں ایسے اشعار بھی پڑھتے تھے۔ جس سے انکے خیالات بڑے واضح ہو جاتے تھے۔ نیز ان کی حریت نوازی بھی آشکار ہوتی تھی۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اپنے آپ کو بڑا ہوتے ہوئے بھی قلندروں اور فقیروں میں شمار کرتے تھے خاندانی اعتبار سے وہ ایک بہت ہی بڑے نواب تھے۔ بے شمار جاگیریں تھیں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ لیکن وہ خود کہتے تھے کہ یہ سب چیزیں نہ تو مجھے سکون بخش سکتی ہیں اور نہ ہی میری منزل ہیں۔ ان کو لوگوں سے ملنے ان سے باتیں کرنے ان کے دکھ درد دور کرنے کی پڑی رہتی تھی۔

۱۹۴۳ء
مسلم لیگ کے آخری جلسہ عام میں جو کراچی میں ۲۶ دسمبر کو منعقد ہوا تھا موصوف نے جو تاریخی تقریر فرمائی اس میں موصوف نے وہ باتیں کیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاید ان کو اپنی موت کا پہلے سے پتہ چل گیا تھا وہ خود فرماتے ہیں۔

میں نے اپنا دل تک چیر کر آپ لوگوں کے سامنے رکھ دیا اور بات بڑی صاف صاف اور واضح ہو چکی ہے پاکستان کا لائحہ عمل پیش کیا جا چکا ہے۔ پاکستان کے اقتصادی حالات، دستور، تعلیم، معاشی نظام پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب لوگوں کا کام ہے کہ وہ اپنے مشن کی تکمیل میں اپنی بے لوث قیادت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے ساتھ چلیں۔"

اسی قوم میں ہم وہی بے لوث اور بے باک نوجوان قائد ڈھونڈ نکالیں گے۔ جو اس ملت پاک کو ایک دفعہ پھر عروج کی منزلوں تک لے جائیں گے اور آج مادر وطن میں جو صورت حال ہے قومی سطح کے قومی قائد تقریباً تقریباً ناپید ہیں چند صوبائی ذہن کے صوبائی باتوں اور پروگراموں کے ساتھ موجود ہیں اور موجود رہنا بھی چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ یہ جمود ٹوٹے گا۔ نئے ذہن پاکردار اور باصلاحیت اہل اور مفکر قسم کے نوجوان تمام تیرگیوں کو چاک کرکے تمام دشواریوں کو مات دے کر تمام صعوبتوں کو کھول کر آگے بڑھیں گے اور قوم کی عظمت کا علم لہرائیں گے اور مایوسیوں میں کھوئے ہوئے انسانوں کو لے کر آگے بڑھیں گے۔ دور جدید کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؂

نہ تو استاد کی ضرورت ہے
اب نہ بقراط کی ضرورت ہے
زہر پی لے جو حرف حق کہہ کر
ایسے سقراط کی ضرورت ہے

تو کیا میں امید رکھوں کہ اب جب ۲۵ جون کو بہادر یار جنگ کے عقیدت مندان کے تحت، ان کے نام سے منسوب کردہ اکاڈمی کے ذمہ داران حضرت اس بات پر بھی توجہ فرمائیں گے کہ ایک عظیم قومی رہنما کا دن یوں ہی رواجی انداز میں نہ گزرنے پائے بلکہ ان کی واضح ہدایتوں کے تحت اہم ایسے قومی قائد تلاش کر لینے کے بارے میں متفق ہوں جن میں قائد ملت جیسی خوبیاں اور صلاحیتیں نہ ہوں تو وہ کم از کم ان کی خوبیاں اور صلاحیتوں سے قریب تر ہوں اور قومی قائد بننے کی دیگر شرائط کے قریب تر آ چکے ہوں اگر مجھے بہادر یار جنگ کے دن پر تقریر کرنے بلایا گیا تو میں یقیناً یہ کہوں گا۔

ان شب کے اندھیروں کو گزر لینے دو
ہم قانون سحر دہر میں ایجاد کریں گے

اور قائد ملت الحاج حضرت بہادر یار جنگ مرحوم جو میرے آئیڈیل اور قومی رہنما بن بیٹھے ہیں ان کے مشن کو آگے بڑھانے والے ادنیٰ سے کارکن کے طور پر کام نہ صرف یہ کہ میں شروع کروں گا۔ بلکہ اس موضوع پر ~~متعارف جن پر صدیوں فخر کیا جاتا رہے گا۔~~ بہت سے ہم خیال دوست بھی پیدا کروں گا اور ایک دفعہ پھر مادر وطن ایسے قومی رہنماؤں عظیم انسانوں سے متعارف ہوگی۔ جن پر صدیوں فخر کیا جاتا رہے گا۔

"قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں۔ ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔"

سفر زندگی

کاروان حیات ——— اور ——— کاروان تحریک

ہمارے ماضی و حال کے حالات و واقعات زندگی پر ایک نظر

واقعات زندگی

ہمارے گذشتہ ماہ کے اعلان کے مطابق اس شمارے میں قائد ملت بہادر یار جنگ مرحوم مغفور سے متعلق اداریہ، ولی ہاشمی صاحب کی نظم اور ادارہ کی جانب سے ان کے کچھ کوائف اور دیگر حضرات کے معلوماتی مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ اسی مناسبت سے سفر زندگی کے مضمون میں ہم بطل حریت، عظیم مرد مجاہد اور مومن انسان کی عظمت کا زیادہ سے زیادہ تذکرہ کے پیش نظر اپنے میرٹھ میں گذارے ہوئے دنوں کی روئیداد اس مرتبہ بھی اختصار سے بطور پہلی قسط قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ میرٹھ سے متعلق اپنی زندگی کے حالات زیادہ سے زیادہ پیش کر سکیں گے۔

ادھر ہم قارئین سے اس بات کے لئے بھی معذرت خواہ ہیں کہ قائد ملت بہادر یار جنگ مرحوم مغفور کی شایان شان ہم "الانسان" کا یہ نمبر شائع نہیں کر سکے ہیں۔ امید ہے کہ اگر قدرت نے ہمیں پھر موقع عنایت فرمایا تو اس سے بہتر نمبر ان سے متعلق شائع کر کے اس کی تلافی کر سکیں گے۔ قدرت کی جانب سے ہم اپنے شعور و آگاہی حاصل ہونے پر ملت کے صف اول کے جن اکابرین علماء و رہنما سے اپنی زندگی میں متاثر ہوئے ہیں ایک خاص صفت کے تحت بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور بھی ان میں شامل ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، سر سید رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ، حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ، ور مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام جناب شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

علامہ عنایت اللہ مشرقی رحمت اللہ علیہ اور حال کے جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ جیسے علم و فضل رکھنے والے اور ملت کی بہتری کے لئے جدوجہد کرنے والے ہمارے اس دور کے بڑے گو چکے۔ انڈو پاک میں آپ اپنی مثال تھے جنہوں نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا، اور اس وقت کی زندہ عظیم شخصیت ہمارے لئے حضرت مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ تعالیٰ کی ہے جنکا پیام انسانیت قدرت نے ہم تک پہونچا دیا ہے جسے ہم جلد ہی اپنے قارئین کو بھی پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان متذکرہ بالا اکابرین کی صف میں ہم بہادر یار جنگ مرحوم مغفور کو بھی شمار کرتے ہیں۔ جنہوں نے باوجود امارت اور دنیا کے حامل ہونے کے بھی ملت کی فلاح کی جدوجہد کے آگے اسے کچھ نہیں سمجھا اور اپنی ایک ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک ان کا نام روشن رکھے گی۔ ہمارے اس اظہار پر ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ملت کے دیگر علماء و اکابرین کی . . . . . کوئی قدر و قیمت میں کمی کر رہے ہیں ہم نے تو اپنے طور سے سچائی کے تحت ان حضرات کے ناموں کا اظہار کیا ہے جن سے ہم زندگی بیحد متاثر ہوئے ہیں۔

یوں تو ہم نے اپنے اس دور کے حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب بدایونی مفتی اعظم حیدرآباد دکن مرحوم و مغفور، حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی صاحب میرٹھی مرحوم مغفور، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری مرحوم و مغفور، اور حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب مرحوم و مغفور، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مفتی اعظم پاکستان مرحوم و مغفور، حضرت علامہ ابن حسن جارچوی صاحب مرحوم و مغفور اور حال میں وفات پانے والے دو اور بزرگ دینی، حضرت مولانا نذیر الحق صاحب میرٹھی مرحوم و مغفور، دیکھے اور بانیان جماعت اسلامی، اور حضرت علامہ جعفر شاہ پھلواری صاحب امام صوفیہ مرحوم و مغفور جیسے چوٹی کے علماء کی صحبتوں سے کچھ فیض حاصل کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ملی رہنماؤں میں حسین شہید سہروردی صاحب وزیراعظم پاکستان مرحوم مغفور، ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان مرحوم و مغفور اور ملی دانشور شخصیت چوہدری محمد علی صاحب وزیراعظم پاکستان مرحوم و مغفور کی انتہائی قریب بیٹھنے سے بھی ہم نے بہت کچھ ملی کام کرنا سیکھا ہے اور اب ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور اچھائیوں کی دل سے قدرداں بھی اور ان پر عمل پیرا بھی ہیں۔

اب تو دراصل ہم جس تحریک فلاح انسانیت کے اصل خادم ہیں اس کے مرکزی خیال کے تحت ہر بزرگ دانشور جو انسانوں کی فلاح کے لئے کچھ خدمات انجام دینے والا ہو خواہ وہ ہماری ملت مسلم کا فرد ہو یا نہ ہو۔ ہم اس کے دل سے قدرداں ہیں اس سلسلے میں کوئی اپنا عاقلانہ نقطہ نظر نہیں رکھتے کہ ہم کسی کو جنتی یا جہنمی کہیں یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ روز حشر کس کا کیا حال ہوگا۔

بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور تو پھر ہمارے ملت کے اعلیٰ صلاحیتوں اور کردار کے بیش بہا ہیرے تھے جنہوں نے ہر عالم میں خالق کی رضا جوئی کیلئے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس کی مخلوق کی بھلائی و بہتری کے لئے ہی تن من دھن کی بازی لگا کر رکھی

دنیا تک باوجود اپنے صاحب ثروت انسان ہونے کے اپنے ملی خادم ہونے کی بھی ایک اعلیٰ مثال چھوڑی ہے۔ ہم اُن کے اسی روشن پہلو کی بنا پر اُن سے اور بھی متاثر ہیں اور خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ان کو جنت الفردوس میں ایک اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ممکن ہے کہ اس نمبر کے شائع ہونے کے بعد ہم اس مردِ مومن و مجاہد کی یاد تازہ رکھنے کے لئے کوئی اور اقدام بھی کریں (وما توفیق الا باللہ)

خادم انسانیت۔ ڈاکٹر القادری "علگ"

اب مختصراً واقعاتِ زندگی

جیسا کہ ہم شروع میں اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ ہمارا یہ شمارہ بہادر یار جنگ نمبر شائع کیا گیا ہے اس لئے قارئین کو ان سے متعلق ہی زیادہ سے زیادہ معلومات کے پیش نظر ہم نے اپنے اس مضمون میں اختصار سے کام لیا ہے ہماری دہلی سے میرپور خاص اسٹیشن پر ٹرانسفر متعین ہونے پر ہمارے سامنے سب سے پہلے سوال یہاں پہونچنے پر اپنے قیام کا تھا۔ ہماری اس وقت نہ تو شہر میں کسی سے کوئی جان پہچان تھی اور نہ ہی ہمارا کوئی عزیز رشتہ دار یہاں تھا اور نہ ہی اپنے کسی طالب علم ساتھی کے یہاں رہنے کا اس وقت تک ہمیں کوئی علم تھا۔ البتہ بعد میں ہمیں اپنے طالب علمی کے زمانہ کے کئی ساتھیوں کے رہنے کا نہ صرف علم ہوا بلکہ ان سے ملنے ملانے سے ہمیں انتہائی خوشی بھی نصیب ہوئی۔ ہمیں تو شروع میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ جو یہاں ہمارے ساتھ ہی متعین تھے اسٹیشن کے قریب ایک ریلوے کوارٹر میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ان ساتھیوں میں ایک صاحب کا تو تعلق جن کا نام مختار احمد تھا دہلی سے قریب رہتک سے تھا اور دوسرے مسٹر احمل کیمبل پور پنجاب کے رہنے والے تھے علاوہ ازیں ان دو ساتھیوں کے ہمارے چار اور ساتھی بھی اسٹیشن پر اس وقت متعین تھے جن میں ایک ہمارے ہندو دوست غالباً مانک سنگھ اور دوسرے سکھ دوست بلونت سنگھ اور دو مسلمان ساتھی مسٹر احسان اللہ صاحب جو بہار یا یوپی کے غالباً قاضی خاندان سے تھے اور اب کراچی میں نارتھ ناظم آباد مقیم ہیں ہم ملتے جلتے رہتے ہیں اور دوسرے مسٹر آفتاب تھے جو اب یہاں کراچی میں ریلوے کی ملازمت ترک کر کے کسٹم کے محکمہ میں کسی عہدے پر متعین ہیں ان سے طرفین کی مصروف زندگی کی بنا پر ابھی تک کوئی خاص ملاقات نہیں ہو سکی ہے ویسے بھی وہ نہ پہلے کبھی سوشل آدمی تھے اور نہ اب غالباً انھیں تو صرف پیدائشی طور سے ایک فن آتا ہے وہ ہمارے ساتھ رہ کر پہلے بھی دکھایا کرتے تھے اور اب تو غالباً وہ کسٹم میں رہ کر اس کے ماہر ہو گئے ہوں گے ہماری ان سے دو ایک مرتبہ سلام دعا ضرور ہوئی ہے لیکن اُن سے کوئی خاص ملاقات نہیں ہوئی ہے

ریلوے کوارٹر میں کچھ ہی دنوں کے قیام کے بعد حسن اتفاق سے ایک دن ہمارے علی گڑھ کے طالب علمی کے زمانے کے ایک محسن بزرگ مفتی محمد رضی صاحب سے ہماری ملاقات ہو گئی۔ وہ ہمارے طالب علمی کے زمانے میں علی گڑھ کے قریب ایک ہندو ریاست مرسان کے جو کورٹ آف وارڈس کی نگرانی میں تھی

اور یہ سلسلہ اسٹیٹ کہلاتی تھی۔ ضلعدار و کلکٹر، تھے اور اس کے ہیڈ آفس علی گڈھ ہی میں ہی اپنی رہائش رکھتے تھے ہم ایک مختصر مدت کے لئے اتفاق سے ان کے صاحبزادہ کے ٹیوٹر رہے تھے۔ ہمارے ان سے کچھ ہی دنوں کے رابطے نے اتنے گہرے تعلقات پیدا کر دیئے تھے کہ جس سے نہ صرف انہوں نے ہی بلکہ ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی جنہیں ہم بھابی کہا کرتے تھے ہمیں مجبور کیا ہم علی گڈھ میں ان کے ساتھ ہی مقیم رہیں چنانچہ کچھ مدت کے لئے ان کی بے پناہ عنایتوں اور شفقتوں کے تحت ہمیں اسوقت بھی ان کے ساتھ ہی رہنا پڑا تھا۔

مفتی صاحب کو تو ہمارے ساتھ شفقت محبت تھی ہی لیکن ہماری بھابی صاحبہ کو خدا انہیں تا دیر زندہ و سلامت رکھے۔

آنجناب اُن سے ہمیں ماں جیسی محبت ملی تھی جو ہمیں اپنی والدہ مرحوم کے بعد کہیں بھی نصیب نہیں ہو سکی ہے اور اب وہ راولپنڈی میں اپنے صاحبزادہ کے ساتھ مقیم ہیں اور یہاں بھی یکبار کراچی تشریف لانے پر ہم سے اسی شفقت و محبت کے ساتھ مل چکی ہیں۔

جیسی کہ وہ ہم سے علی گڈھ اور میرٹھ میں رکھتی تھیں۔ مفتی محمد رضی صاحب میرٹھ کے مفتی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اسوقت وہ محلہ مشائخان میں اپنے آبائی مکان میں مقیم تھے۔ ہم سے جیسے ہی وہ پہلی بار ملے انہوں نے ہمیں اس کے لئے مجبور کیا کہ ہم ریلوے کوارٹر کی رہائش ترک کر کے ان کے یہاں ان کے مکان میں ہی قیام کریں۔ چنانچہ ان کی دیرینہ شفقت و محبت کے پیش نظر ہم نے ایسے ہی کیا اور ہم ان کے یہاں ان کے ایک خاندانی فرد کی حیثیت سے رہائش پذیر ہو گئے۔

زمانہ کی نیرنگیاں دیکھئے کہ ہمارا علی گڈھ کی طالب علمی کے زمانہ میں ہمارا ان سے ملنا کسی قرابت داری اور کسی پرانے خاندانی رابطہ کی وجہ سے نہیں ہوا تھا بلکہ اسوقت ایک نیک کام کے سلسلے میں ان کے صاحبزادہ آل نبی سلمہٗ کو علم کے سیکھنے سکھانے کی وجہ سے ہوا تھا، یعنی ہم ان کے صاحبزادہ کے ٹیوٹر... تھے۔ علی گڈھ میں ہی نہیں اس قسم کا واقعہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اکثر طالب علموں کے ساتھ آیا ہے جس سے قدرت نے ہمیں بھی دوچار کیا تھا۔ جیسا کہ اظہار کیا جا چکا ہے

ہم ایک نہایت ہی قلیل مدت میں نہ صرف مفتی صاحب کے ہی بلکہ ان کے اہل خاندان کے جن میں ان کی اہلیہ محترمہ یعنی ہماری بھابی صاحبہ بھی شامل تھیں، اتنے قریب ہو گئے تھے کہ اس وقت بھی ان کے اصرار پر ہمیں علی گڈھ میں ہی کچھ دنوں کیلئے ان کے ساتھ ہی رہنا پڑا تھا اور جبکہ ہم برٹش گورنمنٹ کے ایسے ملازم تھے جو خود ہزاروں کے کام آ سکتے تھے اور ریلوے کوارٹر میں اپنا معقول رہائش گاہ بھی رکھتے تھے۔ اُن کی اسی دیرینہ محبت کے تقاضہ کے تحت ریلوے کی سکونت ترک کر کے ان کے پاس آ کر ان کے ایک خاندانی فرد کی حیثیت سے ہی مقیم ہو گئے۔ خدا کی ہمیشہ سے ہم پر ایک خاص عنایت رہی ہے کہ

ہم جب بھی زندگی میں کسی سے ملے ہیں ہم نے انہیں اپنا ہی سمجھا ہے اس سلسلے میں ہماری زندگی کا ایک حسین واقعہ جسے ہماری داستان محبت کہا جا سکتا ہے اگر زمانہ نے جلد ہی مہلت دی تو قارئین کو پیش کریں گے جس سے یہ اندازہ کیا جا سکیگا کہ یہ کتنی بڑی دین ہے جو ہمیں میسر رہا ہے ...... یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔ ہم تو بس اس کے لئے اپنے خالق کے آگے سربسجود ہی رہتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

خادم انسانیت ۔ کوثر القادری (علیگ)

کاروان تحریک

حالاتِ زندگی

قبل اس کے کہ ہم اپنے سلسلہ وار حالات زندگی پیش کریں۔ ابھی کی مناسبت کے پیش نظر ہی اپنے حال کی کچھ باتوں پر جو گذشتہ ماہ اپریل ۱۹۸۲ء کے الانسان میں تحریک کے مجلس عاملہ کے حال کے اجلاس کی روئیداد میں ہم سے متعلق شائع ہوئی ہیں کچھ روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اجلاس کی روئیداد جیسا کہ ظاہر ہے کہ تحریک کے جنرل سکریٹری نے مجلس عاملہ کی منظوری کے بعد مرتب کی تھی ہمارا اس پر کچھ اظہار کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے اور صحیح صورت حال واضح ہو سکیگی۔ اور خدانخواستہ تحریک کی روئیداد سے کسی رکن تحریک یا کسی قارئین کے ذہن میں ہمارے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو تو وہ انشاء اللہ اس سے دور ہو سکے گی۔ مزید برآں ہماری اس وضاحت سے تحریک کے اس مختصر سے کاروان کو جو گذشتہ کئی سالوں سے ستانے کے بعد اس سال ۱۹۸۲ء کے شروع سے ہی صحیح معنوں میں کچھ آگے قدم بڑھانے کے لئے کمربستہ ہوا ہے کچھ اور تقویت مل سکے گی اور وہ انشاء اللہ کچھ وسعت پذیر ہو کر رواں دواں ہو سکے گا۔ تحریک کا یہ ننھا پودا جو نہ صرف ہمارے ہی خون پسینہ ایک کر کے الحمد للہ انتھک جدوجہد سے بلکہ ہمارے کچھ اور مخلص ساتھیوں کی کمر توڑ کاوشوں سے لگایا گیا ہے۔ اللہ کی عنایت سے اب قوی امید ہے کہ ایک سایہ دار درخت بنکر نہ صرف ہماری ملت مسلمہ کے لئے ہی بلکہ دنیا کے عام انسانوں کے لئے بھی کچھ شیریں پھل دیا چاہتا ہے۔ اور ہم بھی اسی طرح اپنے خالق اور اسکی مخلوق کی نظروں میں سرخرو ہی اور کامیابی حاصل کر سکیں گے۔

قارئین الانسان اور تحریک سے وابستہ اراکین کے علم میں اب یہ بات تو یقینی طور سے آ چکی ہو گی کہ تحریک فلاح انسانیت حکومت پاکستان کی ایک رجسٹرڈ تحریک ہے جو گذشتہ دس سال سے معرض وجود میں آئی ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کی ابھی تک کسی طرح طمطراق یا ریڈیو ٹیلیویژن پریس کانفرنس اور جلسہ و جلوس سے عوام کو روشناسی نہیں کرائی گئی مگر پھر بھی یہ ایک فطری عمل کے تحت مثل ایک نوزائیدہ بچے کی طرح پروان چڑھ رہی ہے اگرچہ اس میں آج کے عام انسانوں کے لئے کوئی کشش بھی نہیں، نہ اسمیں دنیاوی اقتدار کی بات ہے نہ اس سے حصول زندگی نہ یہ دنیا کے کسی موجود مذہب سے حتیٰ کہ دین اسلام کے بھی کسی مسلک سے اپنا اپنا واسطہ نہیں رکھتی .... جس سے اس سے وابستہ

مسلک کے افراد ہی سے اسے اپنا سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ کسی سیاسی جماعت، پارٹی یا کسی صوبہ کی تنظیم سے بھی منسلک نہیں ہے جو اس کی بالادستی کے لئے کوشاں ہو اور ان سے متعلق افراد اسے اپنا سمجھنے لگیں اس کا دنیا کی مروجہ تنظیموں نہ دائیں سے تعلق ہے نہ بائیں سے یہ تو ٹھیٹ اسلام کی روح کو ہی اپنا نقطۂ نظر بنا کر جد و جہد کر رہی ہے۔

ایک ہی خالق کی ساری مخلوق تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے سب کو متوجہ کر کے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہو کر پھر دوسروں پر زور دے رہی ہے تاکہ دنیا کے سارے انسان ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں خیرخواہ بن جائیں اور یہ دنیا فتنہ و فساد کے بجائے امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ ظاہر ہے کہ یہی منشاء اسلام ہے اور دوسرے مذاہب عالم کا بھی یہی ہے یا تھا یہ علیحدہ بات ہے کہ اب ہر مذہب کے پیروکار اور خود ہمارے دین اسلام کے نام لیوا بھی آج کی دنیا میں ایک خوشنما معاشی جال کے بننے میں ہی مصروف ہیں اور وہ عام انسانوں کو بھی اپنے جال میں جکڑ کر رکھنا چاہتے ہیں۔ مذہب اور دین کے اصل مقصد کی طرف نہ خود رجوع ہوتے ہیں اور نہ کسی بھولے بھالے انسان کو رجوع ہونے دیتے ہیں۔ اگر کوئی ذہین انسان قدرت کے عطا کردہ عطیہ کے تحت اس مقصد کے لئے کچھ کام بھی کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ مذہب اور دین کے علمبردار اسی معاشی بڑے بڑے ٹھیکیداروں کی تحویل میں ہونے کی بنا پر ان ہی کی جڑ اور بنیادیں قائم رکھنے کے لئے اس کو کہیں کا نہیں چھوڑتے۔ در آنحالیکہ وہ تو مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے جس میں یہ خود شامل ہوتے ہیں۔

...... اپنی زندگی کو داؤ پر لگاتا ہے بہرحال ہم تو اب اللہ اور اس کے آخری رسول محسن اعظم انسانیت کی اس بات کے لئے کہ خیر الناس من ینفع الناس اٹھ کھڑے ہوئے ہیں نتیجہ خدا کے ہاتھ ہے۔

ہم نے اپنی بساط بھر تحریک فلاح انسانیت کے ذریعہ اس کام کا آغاز کیا ہے۔

اب ہم خالق کی مخلوق کی فلاح و بہبود کی جد و جہد کے لئے جی رہے ہیں ہماری ساری صلاحیتیں اور توانائیاں اس کے فروغ کے لئے وقف ہیں اس لئے ہم نے جس انسان کو بھی اس مقصد کے نزدیک پایا ہے اور اسے کارآمد سمجھا ہے۔ اسے اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھایا ہے۔ ہمارے لئے تحریک کے ذریعہ نہ تو کسی اقتدار اور نہ شہرت کا سوال ہے اور نہ ہی اس سے کسی قسم کی منفعت کا، اور بھلا آج کی دنیا میں ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ہر انسان معلوم ہوتا ہے کہ پیدائشی طور سے بس خود ہی الا ماشاء اللہ اپنے لئے مادی فائدے کے لئے پیدا ہو رہا ہے۔ تو بھلا ہمارے جیسے انسان اس سے کیا مالی منفعت حاصل کر سکتے ہیں ہم تو بس اس کے شکر گذار ہیں کہ جو کچھ بھی ہم کر رہے ہیں ایک اس کی عنایت خصوصی سے کر رہے ہیں۔ ہمارے دل کو ہر قسم کے لالچ اور ہوس و حرص سے دور رکھ کر ہمارے خالق نے ہمیں دل کا اطمینان دے رکھا ہے خدا کرے کہ ہم اپنے آخری لمحاتِ زندگی تک اسی طرح کام میں مصروف رہیں۔ آمین

ہمارے سامنے تو بس ذیل کا شعر ورد زبان ہے۔

ہوا ہے تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے !!
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

ہمارے چالیس بیالیس سال سے قریب رہنے والے دوست ہم سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں کہ ہم دنیا میں کسی طرح اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اب جبکہ

اور اب جبکہ ہمارے سینکڑوں بہی خواہوں کے سامنے ہماری زندگی ایک مثل آئینہ کے ہے جسے وہ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں ہم اس کا تو دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہمارے اعزا اور اقربا اور دوست و احباب سب کے سب سو فیصد ہم سے خوش اور قریب ہیں اور ایسا کبھی کسی انسان کے ساتھ نہیں ہوتا رہا۔ البتہ ہم پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ بجز چند ہمارے ملنے والوں کے ایک عظیم اکثریت ہمارے قریب رہی ہے اب بھی ہم سے خوش ہے۔ اور جو بھی ہم سے ناراض ہوئے ہیں ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس کے لئے ہم قصوروار نہیں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ بھی کچھ کم قصوروار نہ ہوں اس کا فیصلہ تو کل قیامت کے دن ہی عیاں ہو سکے گا۔ بہر حال ہم روزانہ پانچوں وقت اپنے خطاؤں اور گناہوں کی معافی چاہتے رہتے ہیں اور کبھی مخصوص اوقات میں بھی گڑگڑا کر اپنے قصوروں کی معافی کے خواستگار رہتے ہیں اب ہم عمر کے اس حصہ میں ہیں کہ رضائے مولا اور اس کی بندوں کی فلاح کا ہی خاص خیال رکھ کر جینا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے اسی وجہ سے ہم دین کے فرمان خداوندی پر خود سختی سے عمل پیرا ہوتے ہوئے دوسرے

ساتھیوں سے بھی اس کی پابندی کے خواستگار ہیں تاکہ دنیا میں کچھ کام کر سکیں

وشاورهم في الامر. فاذا عزمت فتوكل على الله. ان الله يحب المتوكلين

اس لئے ہم ہر کام کے لئے باہمی صلاح و مشورہ کرتے ہیں۔ اور پورے عزم و ارادہ سے اللہ کے بھروسہ پر اس کو کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ ایسے عزم و ارادہ رکھنے والے اور توکل والوں کا ہی مددگار ہے۔

چنانچہ ہمارے لئے اب تحریک کی مجلس عاملہ کا جو بھی فیصلہ ہوگا خواہ وہ ہمارے لئے کسی نقصان کا بھی باعث ہو ہمارے لئے قابل قبول ہی ہوگا اور یہ بات ہم اپنے سارے ساتھیوں کے لئے بھی ضرور کہتے ہیں کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔

قارئین کے علم میں آ چکا ہے کہ اب بحمداللہ ۱۹۸۲ء سے تحریک اپنے رجسٹرڈ دستور کے فیصلوں کے مطابق پہلے تو اپنی منتخبہ مجلس عاملہ کا جیسے دستور کی رو سے مجلس منتظمہ کہا جا سکتا ہے اعلان کر چکی ہے اس کے باضابطہ حساب کتاب کے لئے الائیڈ بنک ناظم آباد میں اپنا اکاؤنٹ کھول چکی ہے۔ اور پھر اپنے فروغ کیلئے باضابطہ ہر ماہ مجلس عاملہ کا اجلاس بھی منعقد کر رہی ہے جس میں حاضر اراکین کے اتفاق سے ہی فیصلے کئے جاتے ہیں اس لئے رکن عاملہ کو اگر کوئی صحیح بات جو تحریک کے لئے مفید ہو اجلاس میں پیش کرنا چاہیئے اور پھر جو رکن مجلس عاملہ کے ذریعہ ان کے فیصلے کو قبول کرے۔

اس لئے ہم موجودہ مجلس عاملہ کے جملہ اراکین سے استدعا

کرتے ہیں کہ وہ اجلاسوں میں حاضری کو اپنے سے لازمی قرار دے کر اپنی باتوں کو دوسروں کے سامنے پیش کریں اور ایک روایت کے تحت ان پر فیصلہ کرائیں۔ ورنہ ادھر ادھر کی بات کے اظہار سے کسی غلط فہمی کا امکان ہو سکتا ہے جو ایک گناہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے ہمارے سامنے رضاء مولا ہے رضاء انسان نہیں۔

ہاں البتہ انسان کی بھلائی و فلاح ضرور ہے جس کے لئے ہم کام کر رہے ہیں۔ امید کہ اس وضاحت سے قارئین الانسان کو تحریک سے متعلق کچھ مفید باتوں کا بھی علم ہوا۔ اور ان کے قریب آنے کے لئے ایک دعوت فکر بھی ہوئی۔

اب ہم ماہ اپریل ۱۹۸۲ء کی "روئیداد" قارئین کو پیش کرتے ہیں جو عاملہ کی منظوری کے بعد ہی شائع کی جا رہی ہے۔

خادم انسانیت۔ کوثر القادری (علیگ)

روئیداد اجلاس بابتہ ماہ اپریل ۱۹۸۲ء

تحریک فلاح انسانیت کی مرکزی مجلس عاملہ کا ماہانہ اجلاس بابتہ ماہ اپریل ۱۹۸۲ء حسب پروگرام مورخہ ۸/اپریل ۱۹۸۲ء بروز جمعرات شام پانچ بجے حسب سابق تحریک کے جوائنٹ سکریٹری جناب ایف ایم خان صاحب کے دفتر واقعہ بلقیس محل میں منعقد ہوا جس میں تحریک کے صدر جناب کوثر القادری صاحب (علیگ) اور تحریک کے عہدیداران و دیگر اراکین مجلس عاملہ نے شرکت فرمائی۔

اجلاس کا آغاز حسب دستور تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا۔ جس کے بعد تحریک کے صدر جناب کوثر القادری صاحب نے تحریک کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالی اور مستقبل میں تحریک کے سلسلے کے متعلق ایک مثبت منصوبہ کی تجویز پیش کی ساتھ ہی تحریک کے سلسلے مفید مشورے بھی دیئے۔

۲۔ صدر تحریک کے اجمالی خطاب کے بعد تحریک کے جنرل سکریٹری جناب ایس۔ اے۔ شاکر صاحب نے گذشتہ اجلاس کی مفصل روئیداد پڑھ کر سنائی جس کے بعد مجلس عاملہ کے ان اراکین حضرات سے جنہوں نے تحریک کا زر سالانہ ادا نہیں کیا تھا، التماس کیا گیا کہ وہ حضرات زر سالانہ کی ادائیگی جلد از جلد فرما دیں۔

۳۔ تحریک کے جوائنٹ سکریٹری جناب ایف ایم خان صاحب نے تحریک کے فنڈ میں مبلغ پانچ صد روپیہ کا عطیہ عنایت فرما کر نہ صرف یہ کہ تحریک انسانیت سے حد درجہ لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت پیش کیا ہے بلکہ دیگر حضرات کے لئے ایک نیک قابل تقلید مثال قائم کی۔ صاحب موصوف کا انسانیت کی تحریک سے وابستہ ہونے کے بعد یہ دوسرا قابل ستائش قدم تھا۔ اس سے پیشتر صاحب موصوف نے تحریک کے ماہانہ اجلاس کے لئے اپنے دفتر میں مستقل جگہ عنایت فرما کر تحریک انسانیت کی خدمت کی پیش قدمی فرما چکے ہیں اور اب یہ تحریک کے فنڈ میں مبلغ پانچ صد روپیہ کا عطیہ علاوہ اپنی سالانہ فیس کے موصوف کا دوسرا قابل تحسین قدم تھا۔

۴۔ تحریک کے ایک اہم رکن جناب سید اکرم رضا

بقیہ ص [illegible] پر

"یکے از نگارشات" "بہادر یار جنگ"

شمع ہدایت

کیا کسی قوم کی اس سے بڑھ کر اور کوئی بدقسمتی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے جیب میں اکسیر رکھتی ہے پھر بھی دین و دنیا کے امراض میں مبتلا ہے؟

مجھے عالم انسانیت کی وہ مصیبت یاد ہے جب معاشرت ہی نہیں بلکہ اس کی روح بھی ہر قسم کے امراض قبیحہ کا شکار تھی۔ حکیم مطلق اور خالق کائنات نے اس کی بے بسی پر رحم کھایا اور وہ نسخہ شفاء اولاد آدم کو عطا فرمایا جس کے نتائج دنیا نے حیرت و استعجاب سے دیکھے۔ دنیا کے پست اُٹھے اور معراج کمال کو پہنچ گئے۔ عالم کے ذلیل جنکے لئے کوئی مقام ہماری معاشرت میں باقی نہیں رہا تھا "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کا سہارا لیکر قیصر و کسریٰ سے دعویٰ ہمسری کرنے لگے۔ بے وسیلہ عورت نے اپنے سر سے ردائے ذلت اُتار کر مرد سے آنکھیں ملا کر کہہ دیا کہ اپنی بے جا بڑائی رہنے دو۔ قرآن نے "ھن لباس لکم" کا پیام سُنا دیا ہے جب تک یہ حبل متین مسلمانوں کے ہاتھ میں اور شمع ہدایت آپکے سامنے رہی وہ "انتم الاعلون" کی بشارتوں سے بہرہ اندوز ہوتے رہے اور جس وقت اس سے اعراض کیا "فان لہ معیشۃ ضنکا" کی وعید کا شکار ہیں۔

مرسلہ غزالہ بنت یامین سید ڈیرہ اسماعیل خان

خون کا عطیہ انسانیت کا قرض حسنہ ھے

"زندگی" خالق کائنات کا اہم عطیہ ہے اور "صحت" انسانی زندگی کے لئے خدائے بزرگ و برتر کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اپنی تندرستی کی فکر اور اپنی جسمانی صحت کی حفاظت انسانی فطرت کا تقاضہ ہے لیکن دوسروں کی جان بچانے کے لئے اپنے صحت مند اور توانا جسم کے لہو کا عطیہ دینا ایک مثالی ایثار اور مقدس انسانی فریضہ ہے۔ سوچئے۔۔ اگر آپ کے لہو کی چند بوندیں کسی انسانی زندگی کو بچانے کے کام آسکیں تو یہ انسانیت کی کتنی بڑی خدمت ہوگی۔

بہادر یار جنگ

رشید ہاشمی

مردِ مومن قائدِ ملت بہادر یار جنگ
تو نے پیدا کی مسلمانوں میں اک تازہ امنگ
مشرق و مغرب ہے تیری جرأت و ہمت پہ دنگ
لرزہ بر اندام تیرے نام سے اہلِ فرنگ
اے مدبر اہلِ دل بیباک دانشور فہیم
اے غلام آبادِ ہندوستان کے بطلِ عظیم

ہند میں تھا ملتِ اسلام کی روحِ رواں
دل شکستہ کاروں کے اے امیرِ کارواں
اے خطیبِ منفرد، اے واعظِ جادو بیاں
دشمنانِ دین کے حق میں ایک برقِ بے اماں
تو نے جاگیر اور القابات کو ٹھکرا دیا
ہم کو تو نے جہدِ آزادی کا گر سکھا دیا

امن و آزادی اخوت کا علمبردار تھا
حاملِ صدق و صفا اور پیکرِ ایثار تھا
ملک و ملت کے لئے تو آہنی دیوار تھا
اور اعدائے آدا کے لئے اک تیغ جوہر دار تھا
جامعِ اوصافِ اعلیٰ تھی یقیناً تیری ذات
قابلِ تقلید ترا ہر عمل ہر اک بات

زاہد و صاحب ضمیر، اہلِ نظر روشن جبیں
پاک باطن، حق شناس و عاملِ شرعِ متین
ملتِ اسلامیہ کی جاہ و عظمت کے امین
اے بہادر خان صدر اتحاد المسلمین
تو مسلمانوں کا حامی دین کا دمساز تھا
یہ حقیقت ہے مسلمانوں کو تجھ پر ناز تھا

اے دکن کی سرزمین ذی مرتبت عالی وقار
تیرے دامن میں ہے خوابیدہ دلوں کا تاجدار
اے مشیر آباد تجھ میں ہے اس ہستی کا قرار
قائدِ اعظم کو جس پر تھا مکمل اعتبار
جس کا مرقد آج بھی مرجع ہر خاص و عام
جس کے مرقد پر خدا کی رحمتیں ہوں صبح و شام

محفل خواتین

محمّد بہادر خان کی یاد میں

بدر یٰسین۔ ایم۔ اے

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا کہ جب تک اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی سب چیزوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جائے۔

اور اس کی پہلی مثال حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایثار و قربانی سے سامنے آتی ہے اور پھر اس کے بعد تو کڑی سے کڑی اسیران محبت کی حقیقت نوازیوں کی ملتی ہی چلی جاتی ہے۔ صدیاں ہو گئیں کہ اس رسم وفا کی ریت جاری ہے۔ وفاؤں کے پیمانہ پہ جو پورا اترتا ہے وہ وقت کے قلب میں تیر اثر پیدا کر دیتا ہے اور بڑا انقلابی مشہور ہوتا ہے۔

محمد بہادر خان بہادر یار جنگ ایک ایسا ہی انقلابی انسان تھا اور وہ ایسی ہی شان والا تھا جیسا کہ ایک مومن کامل کی شان ہوتی ہے۔ اس کا قلب ایمان و یقین اور عشق رسول و حب الٰہی کی شمعوں سے منور تھا۔ اس کا چہرہ ان انوار کا آئینہ دار تھا اس کا عمل اس پر گواہ، اس کا قول اس پر مہر تھا۔ جو بات منہ سے نکلتی حق و صداقت سے لبریز ہوتی، جو قدم عمل کی جانب بڑھتا صدق و صفا سے لبریز ہوتا آنکھوں سے جو قطرۂ آب جاری ہوتا مقبول بارگاہ الٰہی میں ہوتا، جنوب میں بولتا تو آواز حق شمال میں ہمالیہ تک پہنچتی اور مشرق و مغرب بھی گونج اٹھتے حقیقت یہ ہے کہ یہ مقام اسی کو حاصل ہوتا ہے جسے صرف ایک ہی چیز پیاری ہوتی ہے اور وہ ہے قربت الٰہی اور اطاعت رسولؐ یہی وہ جوہر ہے جو اللہ در اصل کرا دیتا ہے اور پھر دنیا کی ہر شے اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ محبت بھی کیا شے ہے اطاعت کیسے کیسے کرشمے دکھاتی ہے، فرہاد نے طلب شیریں کے لئے تیشہ کے ذریعے کوہسار کو کاٹ ڈالا اور جوئے آب نکال لایا، اور بہادر خان نے بھی زمزمۂ عشق رسول سے ایک کوہسار سے نہیں ہزاروں کوہسار قلوب سے جوئے اطاعت کو جاری کر دیا اور انعام میں محبوب سے شہادت کا رتبہ پایا اور مسلمانان ہند کو بیدار مغزی کا انعام عطا ہوا۔ خود بھی زندہ جاوید ہوا اور ان بیدار مغزوں نے بھی پاکستان حاصل کر کے زندہ دلان اہل دہر میں مقام قومی حاصل کیا۔ کیا رنگ تھا کیا نکھار تھا اس زمانہ پر۔

یہ تو اس وقت کی بات ہے جب کہ وہ خود موجود تھا۔ ساز بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور نغمہ بھی اسی کی زبان پر تھا۔ شمع حق اس کی رہبر تھی اسی لئے کہیں، اور وہ قوم کا رہبر تھا اسی لئے اس کی آواز میں للکار تھی تو کہیں خلوص اور جذبۂ ایمانی تھا اور کہیں آواز میں دعائیں تھیں تو کہیں التجائیں۔

محمد بہادر خان نے التجائیں تو ہزاروں کی ہونگی اور ان التجاؤں میں سے صرف ایک ہی کی جھلک دیکھیئے جو انہوں نے حضور رسالت مآب میں پیش کی تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے رابطے کتنے اعلیٰ و ارفع ہستی سے وابستہ تھے

"آپ بارگاہ اقدس میں حاضر ہیں،
کسی روز میرے لئے نماز فجر سے بعد جالی
سے قریب کھڑے ہو جائیے اور عرض کیجئے کہ
آپ کا جسم سے دور لیکن دل سے نزدیک
غلام طاغوتی طاقتوں کے ساتھ اپنی
بے سرو سامانی کے باوجود برسر پیکار
ہے۔ زمانہ اس سے پھر جائے لیکن آپ
کی نگاہ لطف سے انحراف کو برداشت
نہیں کر سکتا۔ بدر کے ساتھیوں کا صدقہ
اُحد کے میدان میں تڑپتے ہوئے حمزہ ابن
مطلب کا تصدق! اندر دھنسی ہوئی پیشانی
کا واسطہ! اس کو اپنا سمجھے اور اپنے
سے قریب کر لیجئے"!!

التجائیں کامیاب ہوتی ہیں مقبول دربار خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہیں اور خیر البشر کا نمائندہ خیر ہو کر ہند پر چھا جاتا ہے اور اہل ہند کہہ اٹھتے ہیں کہ بہادر یار ہے ہمارا اور ہم "ہم جنگ" ہونے جاتے ہیں۔

آپ نے لوگوں کو اس ایک اسٹیج پر لانے کیلئے کلمۂ طیبہ کو مد نظر رکھا جو وحدت ملی کی بنیاد ہے اور اس تحریر سے عیاں ہے۔

"اسلام پر وہ عبوری دور پھر آگیا ہے
جبکہ تمام مسائل سے قطع نظر کرکے من قال
لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے اعلان
کی ضروریات ہے۔ شیعیت و سنیت
بدعت و وہابیت، احمدیت و مہدویت
سب زمانۂ امن کے لمحات فرصت کی
پیداوار ہیں۔ آج جب خانۂ اسلام
کے اطراف بارود بچھی ہوتی ہے اور
شعلۂ کفر اس کو بھسم کرنے کی تیاری کر رہا
ہے، میں کافی سمجھتا ہوں کہ لوگ سب
کچھ چھوڑ کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
پر جمع ہو جائیں۔ مسلمان اپنی زندگی
کے کسی دور سے گذر رہا ہے۔ اس کو
ہرگز مناقشات میں نہ الجھنا چاہیئے
اور فی الحال اپنی ساری قوتوں کو وقف
تنظیم کر دینا چاہیئے۔"

ادھر فرقہ فرقہ اور نظریہ نظریہ میں بٹ جانیوالوں کو ایک اسٹیج پر لانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے تو ادھر صوفیوں اور خرقہ پوشوں کو کہ جنہوں نے اپنے آپ کو محض

سہل انگاری اور دنیاوی کاوشوں اور جدوجہد انسانی سے فرار کی راہ پر لگا یا اور اس کا نام اپنوں نے عبادتِ الٰہی رکھ کے خود فریبی میں مبتلا ہوئے گویا رہبانہ زندگی کی راہ پر قائم ہوئے اور عبادت دین کو محض مسجدوں اور معبدوں تک ہی محدود کر دیا اور خود دین کے مجاور بن بیٹھے۔ ان حجروں اور خانقاہ والوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔

اللہ حجروں کی چار دیواری کے اندر
نہیں آفاق کے ذرے ذرے میں بیکسوں
کی آہ و بکا میں بے وسیلوں کے نالہ و شیون
میں مظلوموں کی کراہ میں دادخواہوں
کی تڑپ میں اس کے راستے میں ذلت
اور رسوائیوں میں ملے گا۔ باہر نکلو اور
دیکھو کہ اشرف المخلوقات انسانی حامل
بارِ امانت انسان، خلیفۃ اللہ انسان

کس طرح ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ اس کی
سر بلندیوں کا سامان کرو کہ یہی اصل
عبادت اور اصل دین ہے۔ میری نہیں
سنتے تو سعدی کی سنو، ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

محمد بہادر خان اس صدی کا آخری بہادر تھا کہ جس کی للکاریں خانقاہوں سے لے کر محل تک پہنچ رہی تھیں سب مسلمان کلمۂ طیبہ پر لبیک کہتے ہوئے ایک اسٹیج پر جمع ہو رہے تھے مسلمانوں کی قوت بڑھتی جا رہی تھی اور یہ ان کی فرخندہ بختی اور درخشندہ جبینی کی علامت تھی۔ اور جب یہ تحریک اتحاد و عمل عروج پر پہنچی تو محمد بہادر خان کو زہریلے دھوئیں کی نذر کر دیا گیا۔ اس کے سینے میں تو پہلے ہی طاغوتی طاقتوں اور اخوات الشیاطین کے غلبہ کے خلاف نفرت و حقارت کا دھواں گھٹ رہا تھا۔

وائے افسوس! کہ آج ۳۵ سے ۴۵ سال قبل جو مسلمانوں کے حالات تھے اور جن کی اصلاح حال کے لئے اللہ تعالیٰ نے محمد بہادر خان کو مقرر کیا تھا آج بھی پھر وہی حالات ہیں وہی فسردگی ہیں، وہی تنازعات ہیں، وہی نفسا نفسی ہے بلکہ پہلے جتنے گھناؤنے اور مہلک تھے اب اس سے بھی زیادہ بدتر اور افسوس ترین حالات درپیش ہیں۔ مگر محمد بہادر خان نہیں !!!

اے رب! •

اب محمد بہادر خان تو نہ آئے گا کہ قانون قدرت یہی ہے لیکن اے رب! اس کی اس نسبت عظیم کا واسطہ جو وہ تجھ سے اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتا تھا کہ محمد بہادر خان جیسا ہی کوئی فرد اس قوم کی اصلاح و فلاح کے لئے ظاہر کر دے کسی کو تو قوت دیدے کہ وہ کلمۂ طیبہ جس کی "قوت ضبط" سے تمام انسانوں کے قلوب ایک ہی سمت اور ایک ہی ذات سے وابستہ ہو جاتے ہیں اس کلمۂ طیبہ کو عام کر دے جبکہ آج حال یہ ہے کہ انسانی اور مسلماتی کردار یت کی ایسی بیخ کنی کی جا چکی ہے کہ مریض کو اب مرض کا احساس تک باقی نہ رہا۔ ہر طرف سے ہزاروں فتنے اپنا منہ کھولے حضرت انسان کو عام طور پر اور مسلمانوں کو خصوصی طریقہ سے ڈس رہے ہیں لیکن کون ہے جو ان فتنوں کے اژدھوں کی پھنکاروں سے بچانے اور اس

کے ڈسے ہوئے کے زہر کو اجسام سے نکالے۔ اور لوگوں میں وہی ولولہ بیکراں برپا کر دے کہ جس سے مسلمانوں کا گمشدہ وقار واپس مل جائے۔

مثبت و غیر مثبت طریقوں سے مسلمان خود ہلاکت و ہلاکت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ محض دنیاوی نام و نمود کی خاطر اخوان الشیاطین اور مطیع الشیاطین کے چنگل میں پھنس چکے ہیں۔ اور ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا سچا عاشق اور واثق ایمان ہے لیکن اندرون خانہ لا الٰہ الا الشیطان (اللہ ہم سب کو اس سے پناہ میں رکھے۔ آمین) کی گردان ہے۔ بلاشبہ یہ منافقت و فتنوں کا دور ہے، ظلمات و ظلمات کا دور ہے، جہل و کذب کا دور ہے، اور ہر کاذب پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جس پر اللہ کی لعنت ہے وہ ملعون ہے، اور جو ملعون ہے وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے

اور اس کی رحمت سے جو دور ہو گیا وہ تاریکی کے گڑھے میں گر گیا سوائے اس کے کہ جس نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح حال کر لی۔ تو ایسے سعادت مند تو کم ہی ہوتے ہیں —

اے رب —! ایسے ہی سعادت مند لوگوں کو تو بر سر عام لے آ — اور بر سر اقتدار بھی، کہ مسلمانوں کو آج سے چودہ سو سال جس یکجہتی، جوش عمل، ایمان و یقین کی ضرورت تھی اتنی شدت اور اہمیت سے آج بھی ضرورت ہے وہ زمانہ اس لئے افضل و اکمل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور تیری جانب سے وحی کا سلسلہ موجود تھا اس لئے مسلمان حیران نہ تھے بلکہ شاداں و کامران تھے۔ موت ان سے گھبراتی تھی، طاغوتی قوتیں ان سے لرزتی تھیں مگر اس دور کا المیہ یہ ہے کہ قرآن کریم بھی موجود ہے اور قیامت تک کی شریعت بھی لیکن مومن کامل نہیں جو فتنوں کا قلع قمع کرے اور انسانیت کو امن و سلامتی کا پیغام دے۔

اللہ محمود مبارز خان کو غریق رحمت کرے۔ آمین (مصائب اور فتنوں کے دور میں قاطع فتن ہی یاد آتے ہیں)

بقیہ روئیداد مجلس عاملہ

صاحب موصوف نے تحریک کا زرِ سالانہ مبلغ ایک صد روپے مالی سکریٹری جناب سید لئیق احمد صاحب کو عنایت فرمایا۔ مزید یہ کہ موصوف نے تحریک کے آئندہ پروجیکٹ کے متعلق بھی انتہائی مفید مشورے دیئے۔ موصوف کی تحریک سے دلچسپی اور تحریک کے فروغ میں والہانہ عقیدت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

۵ - تحریک کے دیگر اراکین مجلس عاملہ نے تحریک کے آئندہ فروغ کیلئے چند مفید مشورے دیئے نیز یہ کہ تحریک کے مالی فنڈ میں مزید اضافہ کیلئے بھی اجلاس ہذا میں غور کیا گیا اور اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ تحریک انسانیت سے منسلک ہر رکن حسب استطاعت تحریک کے مالی فنڈ میں معاونت کرے، اس کے علاوہ تحریک کے دفتر کے لئے ایک مناسب عمارت کے حصول کیلئے بھی غور کیا گیا اس کے بعد اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

تیر و نشتر

ایس۔ اے۔ شاہد

بہادر یار جنگ کی خوش مزاجی

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

نواب بہادر یار جنگ میں جہاں انگنت خوبیاں اور تھیں وہاں آپ کے انداز خطابت میں شائستہ طنز و مزاح وسیع القلبی کشادہ ذہنی بلند ہمتی عالی ظرفی اور انسان نوازی بدرجہ اتم موجود تھی آپ کو کھری بات کہنے کا صحیح سلیقہ معلوم تھا جس وجہ سے معاشرہ میں منفرد مقام حاصل تھا۔ درحقیقت کسی سے مسکرا کر پیار و محبت سے گفتگو کرنا بھی عین احترام انسانیت ہے۔ رسول پاک کا فرمان بھی ہے کہ کسی مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک مرتبہ بھی مسکرا کر دیکھنا عین عبادت یا صدقہ کے مترادف ہے نواب بہادر یار جنگ اس چیز کے قائل تھے کہ خوش مزاجی نیک عمل کا حسن ہے یہ وہ ہتھیار ہے جو ہر دور کے بگڑے ہوئے معاشرے کی مشین کے زنگ آلود پرزوں کے لئے تیل ہے زندگیوں کے لئے ایک بہترین ٹانک ہے۔ نواب صاحب کی خوش خلقی اور مزاحیہ طبیعت معاشرے کے لئے ایک باوقار سنجیدہ اصول کا نمونہ تھی یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے مقبول ترین لیڈر بلند پایہ عالم دین اور خطیب اعظم تھے آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک شعلہ بیان مقرر اور خوش سخن خطیب کی حیثیت سے مشہور تھے۔

ایک بڑے قائد غیر معمولی خطیب اور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ مزاح و خوش طبعی کا بہترین نمونہ بھی تھے۔ نواب صاحب کے خطوط و تقاریر میں مزاح کی چاشنی ملتی ہے۔ گھریلو زندگی میں تو آپ غیر معمولی خوش دلی کا مظہر تھے بغداد کے سفر کے دوران ۱۹۳۱ء میں انہوں نے احباب کو جو خط لکھا تھا اس میں ایک جگہ تحریر کرتے ہیں "ناتلی سے موصل پہنچنے تک مجھے تو اندیشہ تھا حضرت نواب الملک قبلہ آپ مولانا مولوی بہادر خان صاحب قبلہ و کعبہ کو مسجد چار مینار کا کہیں وصال شریف نہ ہو جائے۔"

دکنی زبان جو حیدرآباد کے دیہاتی اور عورتیں استعمال کرتی ہیں اس میں نواب صاحب کو مہارت تامہ حاصل تھی ایک جلسہ میں اتحاد المسلمین کے پلیٹ فارم سے پوری کی پوری تقریر دیہاتی زبان میں کر ڈالی تھی فرماتے ہیں۔

" اپنے لوگاں کیا کو خیال کرتیں کہ ہم شہر والے انگریجی باتاں کرتیں۔ اپنے لوگاں فکر سمجھے ہم انجمن والے

مُحاوں کے مسائل کو بالکل ہی بھول گئیں۔"

نواب صاحب اپنے گھر کے کسی ملازم پر ناراض ہوتے تو بطورِ گالی فرماتے۔" ہٹ تیری نانی کی خالہ کے چچا کی جورو مرے۔"

ایک موقع پر نواب صاحب نے زنانہ ڈیوڑھی میں گئے۔ بیگم صاحبہ ملازمہ پر برس رہی تھیں اس ملازمہ سے ایک چائے کی پیالی ٹوٹ گئی تھی۔ بیگم صاحبہ کا غصہ مشہور تھا جیسے ہی نواب صاحب داخل ہوئے بیگم صاحبہ نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا۔ اس مال زادی کے کرتوت دیکھو اس کو خوب پیٹو۔ نواب صاحب نے بیگم کو خاموش کیا اور کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔ بیگم نے سختی سے کہا کہ تم اس کو ڈانٹتے کیوں نہیں نواب صاحب پھر بھی خاموش رہے بیگم کا پارہ چڑھ گیا۔ ملازمہ سے ان کی توجہ ہٹ کر نواب صاحب کی طرف ہو گئی۔ نواب صاحب نے نہایت متانت سے فرمایا بیگم میں خود اس کمبخت لڑکی کو ڈانٹتا تو کہا مار مار کر کچومر بنا نا چاہتا ہوں پر کیا کروں مجھے غصہ نہیں آرہا ہے

آل انڈیا مہدویہ کانفرنس نواب صاحب کی صدارت میں ہو رہی تھی میسور کے ایک مقرر نے کسی تحریک کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے ٹھیٹ مدراسی زبان میں کہا " اول سے گورنمنٹ سے کاناں ڈھیلے پڑ لیکر بیٹا (یعنی حکومت پہلے ہی سے اس طرف متوجہ ہے) نواب صاحب چچا گھر احباب کے ساتھ سیر کر رہے تھے اتفاقاً ایک پنجرے میں انگورہ کی بکری نظر آئی جس کے کان زمین تک آرہے تھے۔ نواب صاحب نے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا دوستو جلدی آؤ اور دیکھو گورنمنٹ سے کاناں ڈھیلے پڑ لیکو بیٹی ساتھی ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

بہت ماب کیرجی کی کوٹھی پر قائدِ اعظم کی دعوت تھی عمائدین شہر اور روسا جمع ہو رہے تھے۔

ایک جگہ خواجہ بہاؤ الدین ابوالبیان صاحب فرما رہے تھے کہ نواب بہادر یار جنگ کو لیڈر میں نے بنایا ہے اسی دوران نواب صاحب تشریف لے آئے کسی نے خواجہ صاحب کا جملہ نواب صاحب کو سُنایا۔ خواجہ صاحب نے آپ کو بنایا ہے۔ نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا انہوں نے مجھے بنایا ہو یا نہ بنایا ہو آپ لوگوں کو تو بنا رہے ہیں۔ اس دعوت میں بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو جنہیں نواب صاحب اپنی ماں بیان کرتے تھے۔ قائدِ اعظم کے اعزاز میں تقریر فرما رہی تھیں۔ جب نواب صاحب تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو فرمایا میری ماں سروجنی نائیڈو جب تقریر کر رہی تھیں تو مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان کے منہ میں میری زبان بول رہی ہے۔ ذبردست قہقہہ پڑا۔

نواب صاحب کو میٹھے کا بہت شوق تھا کھانے کے بعد جس میں کئی قسم کے میٹھے شامل ہوتے تھے وہ ایک یا دو گڑ کی ڈلی بھی تناول فرماتے اور دوسرے حاضرین احباب کو بھی مجبور فرماتے۔

جب وہ چائے پیتے تو پیالی میں متعدد شکر ڈالتے کہ چائے ختم ہونے پر تہہ میں جو شکر بچ رہتی اسی کو مزے سے کر چمچے سے نوشِ جان کرتے

ایک موقع پر چائے پی گئی نواب صاحب نے ہر فرد سے پوچھا کہ وہ کتنے چمچے شکر استعمال کرتا ہے۔ ایک صاحب نے کہا میرے لئے ایک چمچہ شکر کافی ہے نواب صاحب نے بڑے تعجب سے پوچھا کیا یہ نسخہ تمہیں کسی حکیم نے بتایا ہے

بقیہ صفحہ ۹ پر

کو سزا دینے میں غلطی سرزد ہو اور حاکم کا رجحان
اس طرف ہونا چاہیئے کہ ملزم حدود کی سزاؤں سے بچا
رہے ان سب حالات و کیفیات کا وہ نتیجہ ہے جس کا
ذکر سعودی عرب میں امن کے متعلق اوپر بیان کیا گیا۔
اور وہ جو خلیفہ ثانی کی فقہ کی شان تھی ۔

حدود اور معاشرہ کا الحاق

یہ معتدل پالیسی
ثبوت کی سختی سخت سزا کا امکان حدود سے نکل جانے
والوں کے لئے تعزیری سزاؤں کا زمانہ کے ضمیر کے مطابق
عاید ہونے کا یقین ایسی صفات ہیں جو اسلامی قانون
فوجداری کو معاشرہ کی ضروریات سے منطبق کرتی ہیں
اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ معاشرے کی خوبی کا دارومدار
سزاؤں پر نہیں بلکہ ہدایت اس کے صحیح نفاذ نصیحت اور
اعلیٰ مثالوں کے قائم کرنے پر ہوتا ہے۔ جو لوگ ہر اصلاح
کے لئے قانون کا مطالبہ کرتے ہیں قانون کے نفاذ پر انحصار
اور بھروسہ کرتے ہیں۔ طرح طرح سے قانون کی کمی محسوس
کرتے ہیں۔ وہ قانون کو معاشرہ کی بنیاد سمجھتے ہیں حالانکہ
خود قانون کی معاشرہ ہے معاشرہ کا رجحان بھی ہمراہ ہو

بقیہ تیر و نشتر

ان صاحب نے نواب صاحب سے پلٹ کر سوال کیا آپ کتنے چمچے شکر استعمال کرتے ہیں؟ نواب صاحب نے فرمایا شکر ڈالتے وقت چمچے گنتا نہیں ہوں جب ہاتھ تھک جاتا ہے تب بس کرتا ہوں۔

نواب صاحب حقہ استعمال فرماتے تھے مگر سفر میں حقہ ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ بمبئی کا سفر تھا ایک اسٹیشن پر نواب صاحب اپنے سکریٹری اللہ بخش سے کہا۔

ارے بھائی یہاں گھر والی کہاں؟ چلو بازاری سے دل بہلائیں" (مقصد سگریٹ سے تھا)

نوبل پرائز ہولڈر سر سی وی رامن کے ساتھ نواب صاحب آل انڈیا مہدویہ کانفرنس کی نمائش میں جڑی بوٹیوں کے اسٹال پر پہنچے۔ اسٹال ہولڈر نے ایک جڑی دکھا کر کہا کہ جہاں یہ جڑی ہوگی سانپ نہیں آئے گا۔ سر سی وی رامن نے کہا میں یہ بات نہیں مانتا نواب صاحب نے فوراً کلام پاک کی آیت پڑھی۔

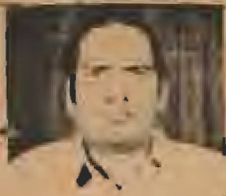

بے بہا۔ دُر

سید محمد یامین

لسان الامت قائدِ ملت نواب (بہادر یار جنگ) کی جو تقاریر محفوظ ہو سکی ہیں، خطابات جو طبع ہوئے خطوط جو شائع ہوئے ان سے چند اقتباسات ہم اس جگہ انتخاب کر کے شائع کر رہے ہیں یہ بے بہا دُر، یہ زرّیں اقوال۔ یہ جواہر پارے، یہ حکمت کے موتی نئی نسل کے اذہان کی تعمیر میں مددگار ثابت ہوتے رہیں گے۔ ان کی افادیت اور اہمیت مدت دراز تک قائم رہے گی۔

حکماء و مفکرین کے مختصر الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں وسیع و گہری معنویت ہوتی ہے۔ وہ حکمت و دانائی کا خزینہ ہوتے ہیں۔ قائدین بیشتر وہ نے اپنے خیالات، احساسات و تجربات کے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے، ان کے خیالات افکار اور نگارشات کو دنیا نے محفوظ کر لیا۔ رہا ان فرمودات کی تشریح، وضاحت حالات اور وقت کے تقاضوں کے تحت ہر دور میں ہر مقام پر مختلف ہوگی، ان کی روح اور مرکزی خیال اپنی جگہ باقی و قائم رہے گا۔ ہم ان اقوال کو پھیلا کر کوزے کو پھر دریا میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

اس مختصر مضمون کے ذریعہ قائد ملت محمد بہادر خان شہید کے چیدہ چیدہ اقوال کو نئی تعلیم یافتہ نسل تک پہنچانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ ہم نے اس امر کو پیش نظر رکھا ہے کہ مختلف موضوعات، قومی اور انفرادی زندگی کے تمام تر پہلوؤں پر یہ اقوال محیط ہوں، مذہب قومیت، سیاست، معاشیات، معاشرت اور عملی زندگی کی ترغیبات پر مشتمل ہوں۔

(سید یامین میونسپل کونسلر چرچ ٹی آرڈ کونسل ذیرہ اسماعیل قائمہ)

۱۔ ساری التعریف اس خدائے قدیر و قیوم کو سزاوار ہے جس کا تخت عظمت و جلال ہمیشہ سے آراستہ ہے اور ہمیشہ آراستہ رہے گا اور جس کی بارگاہ عز و وقار میں صرف ان افراد اور قوموں نے جگہ پائی جنہوں نے نتائج اعمال پر یقین رکھا اور عمل صالح کو شعار بنایا اور جس کے آستانۂ مقدس سے وہ دھتکار دیئے گئے جو کچھ نہ کر کے سب کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے جس کے قرب و نزدیکی کا مقام صرف ان ہی کو نصیب ہوا، جنہوں نے اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دیا۔

خطبہ صدارت بارھواں سالانہ جلسہ اتحاد المسلمین
حیدرآباد دکن ۹ جون ۱۹۴۰ء

۲۔ اللہ کا درود و سلام اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو رسولوں کے سردار اور آخری نبی ہیں اور جنہوں نے کالے اور گورے اور عرب و عجم سب کو اخوت ایمانی

کے رشتے سے ایک کر دیا اور سب کو ایک ہی ملت بنا دیا حالانکہ وہ پہلے آپس میں بہت اختلافات رکھتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے مانوس ہونے پر بالکل آمادہ نہ تھے اور جنہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیم سے عرب کے ایک خاک نشین کو قیصر و کسریٰ کے تاج کا مالک بنا دیا اور اس میں ایسی قوت ایمانی پیدا کر دی کہ اس مقام کریم سے نہ تو مال و دولت کی حرص ہٹا سکی اور نہ جاہ و مرتبہ کی ترغیب اور نہ جابروں کا خوف اور ان کی ہیبت ہی اس کو صراطِ مستقیم سے منحرف کر سکی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کی تعلیمات سے بندوں میں یہ عزم پیدا ہو گیا کہ وہ فقر و فاقہ اور غلامی و جلاوطنی کے مصائب کے باوجود اللہ تعالیٰ کی دعوت کو ترک کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور مرتے دم تک اپنے رب کی پرستش کرتے رہے اور ہمیشہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اللہ ہمیں مسکینوں کی طرح زندہ رکھ اور مسکینوں کی طرح دنیا سے اُٹھا اور قیامت کے دن مسکینوں ہی کے زمرے میں ہمارا حشر فرما۔

(خطبات عالم مدحت مرتبہ نذیر الدین احمد مطبوعہ حیدرآباد دکن)

(۳) کیا یہ حقیقت نہیں ہے اور کیا اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ خدائے علیم و حکیم نے نزول قرآن کے لئے سب سے زیادہ بنجر زمین اور سب سے زیادہ جاہل قوم کا انتخاب کیا؛ کیا خدا کو اس رسالت کبریٰ کو پہنچانے کے لئے کوئی عالم فاضل منطقی اور فلسفی نہیں مل سکتا تھا؟ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے نبی آئے عموماً علوم دنیا سے نابلد تھے اور خصوصاً اس کا آخری پیغام لانے والا (صلی اللہ علیہ وسلم) لوح و قلم سے بے نیاز کر کے پیدا کیا گیا تھا اور خود قرآن نے اس کے امی ہونے کی شہادت دی؟ کیا مکہ کے مزدور، مدینہ کے مزارع، گھروں کی عورتیں صحراؤں کے بدو اور دامن کوہ کے وحشی اپنی ساری جہالتوں اور بے عملیوں کے ساتھ مسجد نبوی کے صحن میں جمع نہیں ہوتے تھے اور زبان محمد (ارواحنا وآبائنا فداہ) سے چند آیتیں سُن کر اپنے قلب و دماغ کی کینہ اور نفسی گندگیوں سے پاک نہ ہو جاتے تھے اور پھر کیا وہی جاہل وہی امی فلسفہ و منطق سے نابلد سب سے پہلے معلم قرآن نہ بنے؟

میں ہمیشہ کہتا ہوں قرآن ابرِ باراں اور چشمہ آفتاب کی طرح خدا کی ایک رحمتِ عام ہے۔ اس سے ہر شخص بقدرِ ظرف تمتع کر سکتا ہے۔ چھوٹا ظرف رکھنے والے قدح نوشانِ خم در بغل کی سرمستیاں دیکھ کر کیوں مایوس ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو قرآن کے بادۂ عرفان سے کیوں محروم سمجھتے ہیں؟ مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن اور اس کے جتنے متعلقہ علوم ہیں ان سب کو سیکھنے کی کوشش کریں اور قرآن کو اس طرح سمجھیں جس طرح اس کو سمجھنے کا حق ہے۔

(مکتوب مورخہ ۴ مارچ ۱۹۴۴ء مکاتیب بہادر یار جنگ)

۴۔ وہی پیغام ساری نوع انسان کے سامنے پیش کئے جانے کا استحقاق رکھتا تھا جو ہر حیثیت سے مکمل اور زندگی کے ہر پہلو کے لئے مکتفی ہو۔ نہ صرف خدا اور بندے کے رشتۂ ربوبیت و عبدیت کو مضبوط کر رہا ہو نہ صرف توحید اور حقیقت کے مسائل صحیح طریقہ پر حل کر رہا ہو۔

نہ صرف حسنِ اخلاق اور خوش معاملگی کی تعلیم دے رہا ہو، نہ صرف دنیا میں شر و فساد کو مٹانے کے لئے تادیب و تعزیر کے بہترین اصول وضع کر رہا ہو۔ بلکہ تختِ سلطنت سے لے کر گلیم فقر تک اور آغوشِ مادر سے لے کر گوشہ لحد تک انسان کی زندگی کے جتنے شعبے ہو سکتے ہیں۔ ان سب میں رہنمائی کرے۔ اسلام کی یہ جامعیت اور اکملیت ایک مستقل عنوان ہے۔

(خطبۂ صدارت کل ہند تبلیغ اسلام کانفرنس منعقدہ ۳۱ مئی ۱۹۳۸ء بمبئی)

۵۔ دنیا کی تاریخ ان چھوٹے چھوٹے انقلابات کے یادگاروں سے بھری پڑی ہے جو اقوام و ممالک میں پیش آتے رہے لیکن ان سے بڑھ کر کونسا انقلاب قابل یادگار ہو سکتا ہے جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی، غلاموں کو مژدہ آزادی سُنایا۔ عورتوں کو مقام انسانیت عطا کیا۔ جہل کی تاریکی کو علم کے نور سے منور کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو اس کا مقام اصلی سمجھایا۔ اس انقلاب کی یاد منانے اور خود اپنی بگڑی ہوئی دنیا کو سدھارنے کی واحد صورت یہی ہے کہ ایک مرتبہ پھر ہم اپنے چشم و گوش کو اس پیام ربانی کیلئے وا کریں اور قلب و دماغ کو اس میں تفکر و تعقل کی دعوت دیں۔

(اخباری بیان: تاثرات بہادر یار جنگ)

۶۔ اسلامی نظام حکومت میں امیرِ ملت وہ خادم تھا جس کو حکومت بلا طلب ملت کی طرف سے عطا ہوئی تھی اور جب حاصل ہو جاتی تو اس کا سر اعزاز و افتخار سے بلند ہونے کی بجائے ذمہ داریوں کے بوجھ سے ہر وقت جھکا ہوا ہوتا جس کو ملت کے خزانہ سے صرف اس قدر حاصل کرنے کا حق تھا جتنا اس کے قوتِ لایموت کے لئے کافی ہو اور اس کے متعلقین کو جن کی پرورش کا وہ ذمہ دار ہے، معیشت کی فکر سے آزاد کر سکے۔ نہ اس کے دروازے پر دربان ہوتے تھے نہ اس کے دربار میں نقیب۔ اس کے سرہانے بستر کا تکیہ ہوتا تھا اور کھجور کی پتیوں کے فرش پر سو کر وہ ایران کے قالین بہار کا للطف اٹھاتا تھا اس کے عبائے حکومت ایک گلیم پیوندار ہوتی اور اس کا تاج سروری ایک عمامہ بوسیدہ وہ ایوانِ حکومت میں احکام نافذ کر کے دنیا کے جابر کو لرزہ براندام کرتا تھا تو اس کا سر ندامت ایک بے سہارا بڑھیا کے سامنے اشک آلود آنکھوں کے ساتھ جھک جاتا اس کے ہاتھوں کی گرفت سرکشان عالم کی گردنوں کو خم کرتی تو اس کے دوش کسی بے کس کے گھر کی لکڑیاں ڈھویا کرتے تھے۔ اس کے دربار میں غریب بڑھیا اور ذلیل غلام کو بھی حرف گیری و نکتہ چینی کا حق ہوتا تھا اور وہ اپنے فرائض کا حصہ ادا کر کے دامنِ شب کو اپنے پیاسے آنسوؤں سے تر کرتا تھا اور خدا کے عذاب سے ڈرتا تھا۔

(تقریر جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین۔ لاتور۔ دکن)

مسلمان فطرتاً حریت پسند اور آزادی خواہ واقع ہوا ہے۔ مسلمانوں کو جو درس سیاست دیا گیا ہے اس میں صرف وزراء نہیں بلکہ بادشاہ بھی صرف مجلس مقننہ کے روبرو ہی نہیں بلکہ اپنی رعایا کے ہر فرد کے پاس جوابدہ اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ فرد ایک حبشی غلام ہو یا ایک غریب بڑھیا۔

خطبۂ صدارت چودھواں سالانہ جلسہ اتحاد المسلمین دسمبر ۱۹۴۲ء

۸۔ اس وقت ساری دنیا ایک معاشی کشمکش میں مبتلا ہے اور مادی دنیا کا مذہب بنی ہوئی ہے اس اقتصادیات کی بدولت دو عالمگیر جنگیں لڑی گئیں اور ان دونوں کے اسباب پر نظر ڈالئے اور اس کے پس منظر کو تلاش کیجئے تو صرف مادیت نظر آئے گی۔

خطبۂ صدارت چودھواں سالانہ جلسہ اتحاد المسلمین دسمبر ۴۳ء

۹۔ انسانیت کا سب سے بڑا فتنہ یہ رہا کہ اس کی جماعتی تحریکات اشخاص میں مرکوز ہو کر رہ گئیں اور نتیجے کے طور پر جماعت نے وسعت نظری کھو دی اور اشخاص نے جماعت کی اس وابستگی سے غلط فائدہ اٹھایا۔ (خطبۂ صدارت سالانہ جلسہ اتحاد المسلمین ۲۴ مئی ۴۴ء

۱۰۔ اسلام کا آفتاب دنیا کے افق پر اس وقت طلوع ہوا جب کہ دنیا کے ایک طرف سیم و زر کے فلک بوس پہاڑ تھے اور اس کی دوسری طرف نکبت و افلاس کے عمیق غار نظر آ رہے تھے۔ نام نہاد و پیشواؤں نے مذہب کو آڑ بنا کر بنی نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور خود ساختہ اصول کے تحت اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز قائم رکھا تھا۔ شہنشاہیت اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ محمد رسول اللہ نے یہ ایک جنبش لب لا الہ الا اللہ کہہ کر عظمت و جلال حق سے باطل کی ساری عمارتوں کو مسمار کر دیا اور تبلیغ و توحید سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان غاروں کو بھرا جو افلاس اور نکبت نے پیدا کر دیئے تھے اور انسانیت کی سطح ایک کر دی۔ محمد عربی کی محفل میں ہم بلال حبشی رضؓ کو ہم دوش ابوبکر رضؓ اور عمار یاسر کو ہم نشین ابن خطاب رضؓ دیکھتے ہیں۔ امتناع سود سے سرمایہ داری کی جڑیں کٹ گئیں۔ وراثت کے قانون نے دولت کو جمع ہونے کے راستے روک دیئے۔ زکوٰۃ نے اس دولت کو جو کسی نہ کسی طرح ان مواقع کی موجودگی میں جمع ہوتی، جبراً تقسیم کر دیا اور ارتکاز دولت یا جمع مال کی مذمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین نے مدینہ میں عہد رسالت کے آخری ایام کو مسکین کے وجود سے خالی کر دیا۔

الارض للہ کا قرآنی پیغام سنا کر نبی اُمّی نے زمین کی ملکیت صرف خدا اور اس کے خلیفہ یعنی اسلامی اسٹیٹ کے لئے مخصوص کر دی۔ نہر، جنگل، معدنیات وغیرہ یہ سب اسٹیٹ کی مشترک ملک قرار پائے اور کسی فرد واحد کو یہ حق نہ رہا کہ ان کے ذریعہ دولت کے ڈھیر جمع کرے۔

تقریر اجلاس سالانہ مسلم لیگ بمقام کراچی ۲۶ دسمبر ۴۳ء منشور پاکستان۔

بہادر یار جنگ کی زندگی کا خاکہ

مرتبہ: سید محمد یامین صدر بزم بہادر یار جنگ
ڈیرہ اسماعیل خان

نام: "محمد بہادر خان" خطاب حکومت آصفیہ ریاست حیدرآباد سے "بہادر یار جنگ"
ملت اسلامیہ کا دیا ہوا خطاب: "لسان الامت"
والد کا نام: "محمد نصیب خان" خطاب "نصیب یاور جنگ"
ذات: پنی پٹھان قبیلہ: سدوزئی
پیدائش: ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۰۵ء
مقام: مہدی منزل بیگم بازار، بلدۂ حیدرآباد (دکن)
مدرسہ: مفید الانام (ابتدائی تعلیم)، دارالعلوم فوقانیہ (ثانوی تعلیم)
تعلیم: اردو، فارسی ادب، عربی، تفسیر، حدیث، فقہ اور انگریزی ـ تلگو زبان دانی
اساتذہ: علامہ بحر العلوم سید اشرف شمسی اور علامہ محمد سعادۃ اللہ خان مندوزئی
تخلص: خلق، قابلیت: لاثانی مقرر، نثر نگار، شاعر اور سیاست کار
قومی و سماجی عہدے: صدر مجلسِ اتحاد المسلمین ـ صدر کل ہند اسٹیٹ مسلم لیگ ـ صدر کل ہند مہدویہ کانفرنس
معتمد مجلسِ جاگیرداران ـ رکن انتظامی مسلم ایجوکیشن کانفرنس
سیاحت: حرمین شریفین، مصر، شام، لبنان، ترکی، ایران، افغانستان وغیرہ
شہادت: ۳ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۴۴ء (زہر خورانی)
مدفن: حظیرہ شاہ قاسم مجتہد گروہ مہدویہ مشیرآباد ـ حیدرآباد (آندھرا پردیش، بھارت)

فکرِ مومن

بہادر یار جنگ کے معاشی افکار

جناب مولانا محمد اسماعیل آزاد صاحب ایم اے اسلامیات

نواب بہادر یار جنگ مرحوم آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک شعلہ بیان مقرر اور شیریں مقال خطیب کی حیثیت سے مشہور تھے۔ برِ عظیم پاک و ہند کے مسلمان جب اپنی علیحدہ سیاسی حیثیت منوانے کی جدوجہد میں مصروف تھے تو مسلمانانِ ہند کے بڑے بڑے خطیب اور علماء بدقسمتی سے مسلمانوں کی اس جدوجہد میں شرکت کے بجائے ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کانگریس کی تائید و حمایت میں اپنا زورِ خطابت صرف کرتے تھے۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم ہی وہ واحد خطیب تھے جو مذکورہ بالا سارے خطیبوں اور مقرروں کے کامیاب حریف ثابت ہوئے۔ مرحوم مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو ملک بھر کے عوام کے سامنے اپنی پُرجوش، فصیح و بلیغ مربوط اور مدلل تقاریر کے ذریعے پیش کرتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مخالف علماء اور مقررین کا جادو مسلمانوں پر نہ چل سکا۔

سیاسی قائد اور بے مثال مقرر ہونے کے علاوہ بہادر یار جنگ مرحوم کی نگاہِ تیز نے مسلمانوں کی پستی و ادبار کی تاریکی کا سینہ چاک کر کے اس حقیقت کو دیکھ لیا تھا کہ جب تک ملت کے معاشی مسائل کو حل نہ کیا جائے، ملت کا کوئی مفید کام انجام نہیں پا سکتا۔ آپ نے اس نکتہ کی وضاحت کے ساتھ مجلس اتحاد المسلمین کے چودھویں سالانہ اجلاس میں یوں بیان فرمایا:

"اب میں جس مسئلے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ مسلمانوں کے معاشی مستقبل کا سوال ہے۔ اس وقت ساری دنیا ایک معاشی کشمکش میں مبتلا ہے اور روٹی دنیا کا مذہب بنی ہوئی ہے۔ اس نصف صدی کے اندر اندر دو عالمگیر جنگیں لڑی گئیں اور ان دونوں کے اسباب پر نظرِ غائر ڈالئے اور اُن کے پس منظر کو تلاش کیجئے تو صرف روٹی نظر آئے گی۔"

پھر فرمایا کہ

"ہم جب کبھی مسلمانوں کی معاشی حالت سے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو چند دردِ ملت سے ناآشنا افراد چند خود پرست اور چند خود غرض جاگیردار و دست

ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور ہم ان ہی کو ملت کا خلاصہ سمجھ کر قیاس کر لیتے ہیں کہ دکن کا مسلمان آسودہ حال ہے۔ ہمارا متوسط طبقہ اپنے معیارِ زندگی کی بلندی اور ذریعہ معیشت کے محدود ہونے کی وجہ سے ناقابلِ رشک تنگ دستی کی زندگی سے گزر رہا ہے اور ہمارے دو تہائی افراد دیہات میں بھوک اور نیم برہنگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔" اس خطاب میں آپ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مجلس اتحاد المسلمین کے سیاسی نظام سے ہٹ کر مسلمانوں کی ایک مرکزی معاشی جماعت تشکیل دی جائے جو مسلمانوں کی معاشی پست حالی کا علاج سوچے اور حکومت کے تعاون سے اس کو بروئے کار لانے کی سعی کرے۔

حضرت قائداعظم کے ساتھ

چنانچہ ان معاشی پستیوں اور سماجی الجھنوں جن گرفتار ملت اسلامیہ کے بے شمار افراد اور مظلوم طبقات کے مسائل کی علمی تحقیق اور ان کے حل کی تلاش کے لئے نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے ایک علمی مجلس قائم کی جس میں ماہرین معاشیات اور دانشور شامل تھے۔ اس مجلس میں مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ڈاکٹر یوسف حسین خان۔ ڈاکٹر مظہر الدین صدیقی، پروفیسر انور اقبال قریشی۔ پروفیسر عبد القادر۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ ڈاکٹر یوسف الدین۔ پروفیسر غلام دستگیر رشید اور مخدوم محی الدین مشہور کمیونسٹ لیڈر بھی شامل تھے اور اس مجلس میں مخدوم محی الدین کی شرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ نواب بہادر یار جنگ مرحوم کمیونزم کے معاشی پروگرام سے خائف اور الرجک نہ تھے۔

۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو آپ نے کابل میں مقیم روسی سفیر کو خط لکھا۔ اس میں فرماتے ہیں "حیدرآباد کے مسلم علماء دین کی ایک جماعت مستقبل عالم کے معاشی نظام کی نسبت غور و فکر کر رہی ہے اس سلسلے میں ان کے پیش نظر سوویت روس کا موجودہ معاشی نظام بھی ہے اور خصوصاً یہ کمیٹی معلوم کرنا چاہتی ہے کہ ترکستان و قفقاز کی مسلم آبادیوں میں جو نظام معاش جاری ہے اس کو وہاں کے مسلم علماء نے کس بنیاد پر قبول کیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے متوقع ہوں کہ سوویت روس کے موجودہ نظام معاش کی تائید میں مسلم علماء دین کا اسلامی نقطہ نظر سے لکھا ہوا کوئی لٹریچر انگریزی، عربی، فارسی، ترکی یا کسی اور زبان میں مل سکے تو بعجلت ممکنہ مجھے فراہم فرما کر ممنون فرمائیے۔" (مکتوب نمبر ۵۴ مکاتیب بہادر یار جنگ۔)

حیدرآباد کی ریلوے مزدور یونین کے سابق صدر کے نام اپنے خط میں آپ نے لکھا ہے: میں اپنے خیالات کے اعتبار سے کمیونسٹ ہوں۔ اگر ایک پکے مسلمان کو کمیونسٹ کہا جا سکے۔ لیکن اس تحریک کی ترقی سے جو خطرہ محسوس کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ نظام معاش سے آگے بڑھ کر کہیں مسلمانوں میں کارل مارکس کا فلسفہ سرایت نہ کرنے لگے۔ اور فی الحقیقت ہر مذہب کو افیون نہ سمجھنے لگیں (مکتوب ۵۵)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نواب بہادر یار جنگ مرحوم کو کمیونزم اور سوشلزم کے معاشی نظام سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ اس معاشی نظام کو اسلام میں سمو دینا چاہتے تھے وہ زبردست اقبالی تھے اور اقبال کا مشہور فارمولا بالشوزم + خدا = اسلام' ان کے ہمیشہ مدنظر رہا ہے۔

نواب بہادر یار جنگ اگر خود کو خیالات کے اعتبار سے کمیونسٹ قرار دیتے ہیں تو اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ سید محمد جونپوری کے معتقد تھے اور سید صاحب موصوف نے دسویں صدی ہجری میں جس تحریک سویت کا آغاز کیا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے مارکزم سے پہلے ایک مکمل اشتراکی تحریک تھی۔ لیکن اس تحریک کی بنیاد اسلام اس کے مساوات والے معاشی نظام پر تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کابل میں مقیم روسی سفیر نے نواب بہادر یار جنگ کے ساتھ عملی تعاون نہ کیا لیکن اس کے باوجود ان کی قائم کردہ مجلس کام کرتی رہی نواب صاحب کو اس کمیٹی کے کام سے اتنی دلچسپی تھی کہ وہ اس کی روئیداد خود لکھتے تھے۔ لیکن افسوس کہ اس تحقیقی کام کے دوران ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اور پروفیسر غلام دستگیر رشید اپنے طور پر کام کرتے رہے اور ہر دو حضرات کی تحقیق کے نتائج ایک کتابچے کی شکل میں منظر عام پر آئے اور اردو دان طبقہ پہلی مرتبہ امام ابن حزم کے انقلابی خیالات اور اشتراک دولت کے اسلامی اصولوں سے واقف ہوا۔ نواب صاحب کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے قبل ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے ایک یادداشت مرتب کی تھی جو نظام اصل داری واشتراکیت کے نام سے چھپی تھی اور عجیب بات ہے کہ آج بھی اسلامی معاشیات پر نواب صاحب کے مقرر کردہ ارکین کمیٹی ہی کی کتابیں ایسی ہیں جن سے ہر طالب علم استفادہ کرتا ہے۔

صرف مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اس مضمون میں قابل قدر اضافہ فرمایا۔ پس اسلامی معاشیات کو مدون کرنے کا سہرا نواب بہادر یار جنگ اور ان کے ساتھیوں کے سر رہا۔

بقیہ صفحہ ۲۷ سے آگے

سے قطع نظر کرکے من قال لا الٰہ اللہ فدخل الجنۃ کے اعلان کی ضرورت ہے۔ شیعیت، سُنیت، بدعت، وہابیت، احمدیت، مہدویت سب زمانۂ امن کے لمحات فرصت کی پیداوار ہیں۔ آج جبکہ خانۂ اسلام کے اطراف بارود بچھی ہوئی ہے اور شعلۂ کفر اس کو بھسم کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ میں کافی سمجھتا ہوں کہ لوگ سب کچھ چھوڑ کر صرف لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ پر جمع ہو جائیں۔

(مکتوب نمبر ۱۳ مکاتیب بہادر یار جنگ)

پاکستان میں قومی اتحاد کے لئے نواب بہادر یار جنگ مرحوم اس نصیحت میں آج بھی ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے۔

(محمد اسماعیل آزاد)

سوادِ اعظم اور بہادر یار جنگ

نواب بہادر یار جنگ اپنے زمانے کے مقبول ترین لیڈر خطیب تھے لیکن انھوں نے اپنی اس مقبولیت کو ملت کے سوادِ اعظم سے علیحدگی کا سبب نہ بننے دیا۔

جیسا کہ اس وقت عوام میں مقبول بعض علماء اور مقررین نے اپنی اس مقبولیت کے سہارے ملت کے سوادِ اعظم مسلم لیگ سے ٹکر لی اور ملت سے کٹ کر ہندو کانگریس کے آلۂ کار تو بن سکے لیکن مسلمانوں کا ساتھ دینے سے بھی انکاری تھے۔ جماعت اسلامی کا شمار اس دوسری قسم میں ہوتا ہے اور اس جماعت کے بارے میں نواب بہادر یار جنگ کی رائے موصوف کی سیاسی بصیرت اور دور بینی کا ثبوت ہے۔

ندوہ کے عنایت اللہ اثری صاحب نے نواب صاحب کو خط لکھا اور جماعت اسلامی کے اغراض و مقاصد سمجھاتے ہوئے انھیں جماعت اسلامی میں شریک ہونے کی دعوت دی اور اس کے جواب میں نواب صاحب فرماتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے اصولوں اور اغراض و مقاصد سے لفظاً لفظاً متفق ہوں لیکن طریق کار سے مطمئن نہیں ہوں۔ اپنے طریق پر اس منزل کی طرف بڑھ رہا ہوں، جدھر جماعت اسلامی لے جانا چاہتی ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری جماعت میں برے لوگ بھی شریک ہیں لیکن حاشیہ نشینانِ بارگاہ نبوت میں عبداللہ بن ابی جیسے لوگوں کی موجودگی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

" دیکھا میرا یہ اندیشہ کہ عنقریب یہ جماعت ایک فرقہ بن جائے گی۔ آپ کے پہلے ہی خط میں نمایاں ہونے لگا اور آپ دوسرے مسلمانوں کی برائی میں قلم اٹھانے لگے۔ (مکتوب ص۲۲۰)

اس سے ایک مہینہ قبل ان ہی عنایت اللہ اثری کے نام ایک خط میں نواب صاحب نے لکھا۔

" ایک تو مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ جماعت ایک مستقل فرقہ نہ بن جائے اور اس کے ارکان اس میں نہ شریک ہونے والوں کو اسلام سے خارج نہ تصور کرنے لگیں۔ دوسرے میں اس کو سخت غیر مآل اندیشی تصور کرتا ہوں کہ ہم موجودہ حکومتوں اور ان کی مقننہ سے قطعی تعلق کر کے اپنے مخالفین کو اور قوی کر دیں۔ (مکتوب ص۱۱۶)

جہاں نواب صاحب مسلمانوں میں جماعت اسلامی کے نام سے ایک نئے فرقے کے اضافے کے خلاف تھے۔ وہیں وہ پرانے فرقوں سے بھی تنگ تھے۔ اور کفر کے مقابلے کے لئے ان فرقوں کو مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ

" اسلام پر وہ عبوری دور پھر آ گیا ہے جبکہ تمام مسائل

(باقی صفحہ [illegible] پر)

شہیدِ وفا بہادر یار جنگؒ

سید اطہر صاحب

سقراط کو قید خانہ میں زہر کا پیالہ دیا گیا تو سقراط نے اپنے شاگردوں اور سرکاری عمال کو جو اس موقع پر حاضر تھے مخاطب کر کے کہا

"دوستو اور ساتھیو! تم سب یہ بات جانتے ہو کہ میرا قصور کیا ہے! میرا قصور یہ ہے کہ میں قوم کے نوجوانوں کو بتلایا کرتا ہوں کہ وہ ہر بات کو اپنی عقل کی کسوٹی پر جانچیں۔ بلا تحقیق کسی بات کو محض اس لئے نہ مان لیا کریں کہ کہنے والا ایک بڑا آدمی ہے۔ میں نوجوانوں کو بتلایا کرتا ہوں کہ صداقت کی تلاش عقلِ انسانی کا خاصہ ہے۔ عدالت نے مجھے واجب القتل ٹھہرایا ہے تم یہ سمجھو کہ سچائی و صداقت کے راستے میں میری قربانی انوکھی بات ہے۔ یہ سلسلہ نہ جانے کب سے جاری ہے اور کب تک جاری رہے گا۔ مظلوم کی حالت میں لڑنے والے حق بات کہنے والے اور سچائی کا پرچار کرنے والے آئندہ بھی قتل کئے جاتے رہیں گے اور ان کا خون انسانیت کی اعلیٰ سطح تک بلند ہونے میں انسانوں کا مدد و معاون رہے گا۔"

سقراط کی یہ پیشین گوئی ہر دور میں سچ ثابت ہوتی رہی ہے۔ وہ افراد جو سماج سے آگے بڑھ کر سوچتے ہیں، اپنے ماحول کو رسوم اور توہمات کی پستیوں سے نکال کر فکر آزاد اور اجتہاد کی بلندیوں پر لے جانے کی مساعی میں مصروف رہتے ہیں وہ ہمیشہ موردِ الزام ٹھہرائے جاتے ہیں ان کو ستایا جاتا ہے اور موت کے گھاٹ اتارا جاتا رہا ہے حضرت ابن مریم کا مصلوب ہونا، حضرت حسینؓ کا قتل ہونا، حضرت حسنؓ کا زہر دیا جانا، گاندھی جی کا گولی کھانا اور بہادر خاں (بہادر یار جنگ) اسی زرخیز اور حریت پسند انسانوں کی قربانی کی طویل فہرست میں سے چند مثالیں ہیں جن کو اُن ہی کی سماج انہی کی قوم نے موت کی گہری نیند سلا دیا۔ ان سب کا قصور اتنا تھا کہ وہ عام سطح اخلاق اور عام اندازِ فکر سے بلند تھے اور اس بلندی پر اپنے ساتھیوں کو لے جانا چاہتے تھے۔

آج ۲۲ جون کو پاک و ہند کے اکثر مقامات پر محمد بہادر خاں کی یاد منائی جا رہی ہے جلسے اور محفلیں آراستہ ہو رہی ہیں اخبارات اور ریڈیو ان کے پیام و خیالات کو نشر کر رہے ہیں ان کی ذات کو خراجِ عقیدت پیش کیا جا رہا اور ان کے کاموں

ہمیشہ سے دوسرا ایا جاتا رہا ہے۔ تاریخ عالم کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ جن باتوں کو ماحول نے برداشت نہیں کیا اور جن کاموں کو خطرناک ٹھہرایا گیا جن افراد کو زندہ رہنے کے حق سے تک محروم کردیا گیا ان کی موت کے گھاٹ اتار کران کے خیالات پر احتساب کے تالے لگا کر ان کے مشن کو تباہ و برباد کرکے نہ جانے کیوں مگر بعد میں ان کے آنسو بہائے جاتے ہیں۔ ان کے گن گانا شروع کردیا جاتا ہے ان کے یوم منائے جاتے ہیں ان کے نام کی جے کارے بلند کرتے ہیں جن افراد کو سماج نے خود اپنے ہاتھوں قتل کرایا تھا پھر ان کو ہیرو ٹھہرایا جاتا ہے۔

"بے دل ادرست رزنے کہ بکف چراغ دارد"

نہ جانے انسانی سماج کب تک اس منافقت اور دو عملی کا مظاہرہ کرتی رہے گی اور نہ جانے انسانی سماج انسانیت کے ہیروز کو ان کی زندگی میں کب پہچان سکے گی اور ان کی زندگی میں قدر کرنا کب شروع کرے گی!

محمد بہادر خان، حیدرآباد دکن کے جاگیردار خاندان میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان پر بیرونی سامراج کا مکمل قبضہ اور تصرف تھا۔ مسلمانان ہند جسمانی، مادی اور روحانی انحطاط، ذہنی غلامی، اخلاقی پستی عام ہوچکے تھے۔ قوم کے افراد سے احساس زیاں جاتا رہا تھا۔ انگریز اپنے اقتدار کی جڑوں کو گہرائی تک اتارنے کے لئے جاگیرداروں اور نوابوں کی سرپرستی کررہا تھا ہندوستانی قوم کی حالت چوپایوں سے بدتر ہوچکی تھی۔ انگریز نے چھوٹے مہاراجے، نواب اور جاگیردار، قوم کے غدار نوکرشاہی سب طرح کر اپنے ہندوستانی بھائیوں کا گلا گھونٹ رہے تھے اور عوام کا خون چوس کر اپنے آقا انگریز کے سامنے سرخرو ہورہے تھے۔ اقتدار پرستی اور دولت پرستی عام تھی۔ ایسے زمانہ اور ایسے ماحول میں کسی جاگیردار گھرانے میں کسی مفکر انقلابی کا پیدا ہونا اللہ کے معجزوں میں سے ایک معجزہ، اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ تاریک تر ماحول اور منتشر فکر و عمل کی فضا میں دور وسطیٰ کی آخری نشانی دیسی ریاست کے ایک جاگیردار گھرانے میں محمد بہادر خان نامی ایک نوجوان تمام صلاحیتوں اور شعور کی بیداری کے ساتھ ابھرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہند کی فضا پر چھا جاتا ہے۔ ٹوڈی بچے، سامراج کے ایجنٹ اور بیرونی حاکم اس خاموش انقلاب کو اولاً خاموشی سے دیکھتے رہے۔ یہ بات ان کے اندازوں اور توقعات کے خلاف تھی کہ ایک نواب جاگیردار ازلی وفادار گھرانے کا فرد یا پروفادار برطانیہ کا نمک خوار انقلاب کی امامت کرسکتا ہے۔ شروع شروع تو وزارت اور وزارت عظمیٰ کا لالچ دیا جاتا ہے اور یہ ترکیب کارگر نہیں ہوئی تو سختی سے کام لیا گیا۔ زبان بندی اور نقل و حرکت پر پابندی لگادی گئی۔ اس طرح بھی یہ انقلاب کا لاوا نہیں تھا تو جاگیرات اور مناصب ضبط کرلئے گئے اس پر بھی یہ بڑھتا ہوا سیلاب نہ رک سکا تو سامراج نے محمد بہادر خان کو ہمیشہ کی نیند سلانے کے لئے خاموشی سے زہر دینے کی اسکیم تیار کی گئی۔ حکومت حیدرآباد کے کارپردازوں نے نہایت احتیاط سے ایک دن زہر پلاکر اس مرد مجاہد، بطل حریت کو ہمیشہ کی نیند سلادیا۔

محمد بہادر خان کی موت کا حادثہ تاریخ انسانیت میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے مگر ظرفہ تماشہ یہ ہے کہ جن افراد نے اس انقلاب کے پیامبر کا راستہ روکا تھا جنہوں نے

زہر پلایا گیا حسادو ماتم کرنے والوں کی صفوں میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ آزمائش کے وقت جو افراد اس مردِ مجاہد سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس کی جانشینی کے مدعی ٹھہرے وہ لوگ جو اقتدار کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ جو سامراج کے اشاروں پر ناچ رہے تھے وہی اس شہید کے جانثار کہلانے پر اصرار کرنے لگے۔

محمد بہادر خاں نے جس سماج کی تعمیر میں اپنی دولت اور اپنی جان کی بازی لگا دی تھی جس تصورِ ملتِ اسلامیہ کے ابھارنے میں اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کی تھیں جس مقام پر پہنچ کر اس مردِ مجاہد نے انسانیت کو آواز دی تھی۔ آنِ واحد میں سب کچھ ختم کر دیا گیا۔

نہ جانے ابھی انسانیت کو کتنی اور قربانیاں دینی ہوں گی اور نہ جانے کب انسان مخلص کارکنوں اور مطلب پرست دھوکہ باز، بد فطرت نام نہاد قائدین میں فرق کر سکے گا۔؟

قرآن نے سچ فرمایا ہے:

"جو لوگ اللہ کی راہ میں (مظلوموں، ناداروں کی حمایت میں) مارے جاتے ہیں انھیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، تم نہیں سمجھتے۔"

اس شہیدِ ملت کے خیالات کے تیور دیکھئے:

"اقوام و ملل کی کھیتیاں پانی سے نہیں خون سے سینچی جاتی ہیں۔ بڈھے خون سے نہیں جوان اور تازہ خون سے افسوس ہے ان کی زندگی پر جن کا خون ان کے جسم میں خشک ہو جائے مگر ملت کے کام نہ آئے۔" (مکاتیب - ۵۸)

"مجھ سے بڑھ کر خود غرض اور ملت فروش کون ہوگا، اگر ایسے وقت میں جب کہ ملتِ اسلامیہ کی کشتی بیچ منجدھار تھپیڑے کھا رہی ہے اس کے چپو کسی اور بھائی کے ہاتھوں میں دے کر الگ ہو جاؤں۔

میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ نہ جان میری ہے اور نہ مال میرا، سب اللہ کا ہے۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ (خطبات)

"میں وہ مزدور ہوں جو راستہ صاف کرتا ہے تاکہ ملتِ اسلامیہ کی گاڑی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے میرے لئے یہی کافی ہے کہ وابستہ دامانِ محمد ہوں۔ تعریف و تحریص سے مجھے متاثر و متوجہ کرنے کی سعی کرنے والوں سے میں صرف اسقدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ——

ع بیا جاناں تماشہ کن کہ در انبوہِ جاں بازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم

وزارت، جاگیر، خطاب میری منزل نہیں ہیں، میری تمنا تو اقبال کے ایک شعر میں ہے ؎

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

(تقاریر)